TEXT PROBLEM WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222351
UNIVERSAL
LIBRARY

سوز و ساز

یعنے

گلدستہ مشاعرہ سالانہ انجمن حدیقۃ الشعر مدرسۃ العلوم علی گڑھ

منعقدہ فروری سنہ ۱۹۱۵ء

مع رپورٹ جناب صاحب صدر انجمن و معتمد اعزازی

جس میں

غزلیات - بر مصرعہ طرح "ذرہ چاہے تو تھکا دے مجھے صحرا ہوکر"

اور

مراثی - بر وفات حسرت آیات مولانا حالی مرحوم و علامہ شبلی مغفور علیہما الرحمۃ

شامل ہیں

مرتبہ - حقیر ایوب احمد آثم سہارنپوری (سابق) معتمد اعزازی

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

قیمت فی جلد

انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڈہ میں چھپا

باراول ۵۰۰ جلد

نذر

اُن الطاف بیکراں کی بنا پر جو معلی القاب نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب بہادر آنریری سکرٹری علی گڑہ کالج اور عالی جناب مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مربی انجمن و ٹرسٹی کالج انجمن حدیقۃ الشعر کے حال پر فرماتے رہے ہیں بطور اظہار احسانمندی و شکرگزاری انجمن ہذا اس ناچیز گلدستہ کو اُن کے اسماے گرامی پر معنون کرنے کی عزت حاصل کرتی ہے ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

Checked 1975

Checked 1975

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
فہرست مضامین	
رپورٹ معتمد اعزازی انجمن ہذا بابتہ سنہ ۱۵-۱۹۱۴ء	
رپورٹ جناب صاحب صدر انجمن ہذا	
اجلاس اوّل جلسہ سالانہ تعطیل	
غزل جناب صاحب صدر انجمن ہذا	۱۸
″ جناب اشک و قربان سہارنپوری	۱۹
″ جناب ارشاد متعلم کالج	″
″ جناب آبرو قدوائی	۲۰
″ جناب آتش رئیس اترولی	۲۱
″ جناب احسن مارہروی	″
″ جناب اختر ہاپوڑی	۲۲
″ جناب آغا دہلوی متعلم کالج	″
خمسہ جناب باغ سنبھلی	۲۳
غزل جناب بدر جلالی متعلم کالج	۲۵
″ جناب برتر خیرآبادی	″
″ جناب بیباک شاہجہانپوری	۲۶
″ جناب حاذق سہارنپوری متعلم کالج	۲۷

مضمون	صفحہ
غزل جناب حمید میرٹھی اولڈ بوائے کالج	۲۸
″ جناب خیال گلاوٹھوی	۲۹
″ جناب دلگیر مارہروی	″
″ جناب رضا الہ آبادی اولڈ بوائے کالج	۳۰
″ جناب رنج جونپوری متعلم کالج	۳۱
″ جناب ریاض خیرآبادی	″
″ جناب سہا بلند شہری اولڈ بوائے کالج	۳۲
″ جناب شاعر دہلوی	۳۳
″ جناب شام اکبرآبادی	″
″ جناب شفیق حیدرآبادی	۳۴
″ جناب صفی لکھنوی	۳۵
″ جناب طیب بدایونی اولڈ بوائے کالج	″
″ جناب عباس سہارنپوری متعلم کالج	۳۶
″ جناب عزیز علیگڈھی	″
″ جناب فہمی متعلم کالج	۳۷
″ جناب فضا خیرآبادی	″
″ جناب قاسم سکندروی	۳۸

نذر

اُن الطاف بیکراں کی بنا پر جو معلی القاب نواب حاجی محمد اسحٰق

خاں صاحب بہادر آنریری سکرٹری علی گڑھ کالج اور عالی جناب مولانا

حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مربی انجمن و ٹرسٹی کالج (انجمن حدیقۃ الشعرا)

کے حال پر فرماتے رہے ہیں بطور اظہار احسانمندی و شکرگزاری انجمن ہذا

اس ناچیز گلدستہ کو اُن کے اسمائے گرامی پر معنون کرنے کی عزت حاصل

کرتی ہے ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

Checked 1975

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
فہرست مضامین	
رپورٹ معتمد اعزازی انجمن ہذا بابتہ ۱۵-۱۹۱۴ء	
رپورٹ جناب صاحب صدر انجمن ہذا	
اجلاس اوّل جلسہ سالانہ تغزل	
غزل جناب صاحب صدر انجمن ہذا	۱۸
" جناب اشک و قربان سہارنپوری	۱۹
" جناب ارشاد متعلم کالج	"
" جناب ابر قدوائی	۲۰
" جناب آتش رئیس اترولی	۲۱
" جناب احسن مارہروی	"
" جناب اختر ہاپوڑی	۲۲
" جناب آغا دہلوی متعلم کالج	"
خمسہ جناب باغ سنبھلی	۲۳
غزل جناب بدر جلالی متعلم کالج	۲۵
" جناب برتر خیرآبادی	"
" جناب بیباک شاہجہانپوری	۲۶
" جناب حاذق سہارنپوری متعلم کالج	۲۷
غزل جناب حمید میرٹھی اولڈ بوائے کالج	۲۸
" جناب خیال گلاؤٹھوی	۲۹
" جناب دلیر مارہروی	"
" جناب رضا الہ آبادی اولڈ بوائے کالج	۳۰
" جناب رنج جونپوری متعلم کالج	۳۱
" جناب ریاض خیرآبادی	"
" جناب سہا بلند شہری اولڈ بوائے کالج	۳۲
" جناب شاعر دہلوی	۳۳
" جناب شام اکبرآبادی	"
" جناب شفیق حیدرآبادی	۳۴
" جناب صفی لکھنوی	۳۵
" جناب طیب بدایونی اولڈ بوائے کالج	"
" جناب عباس سہارنپوری متعلم کالج	۳۶
" جناب عزیز علیگڈھی	"
" جناب فجی متعلم کالج	۳۷
" جناب فضا خیرآبادی	"
" جناب قاسم سکندروی	۳۸

مضمون	صفحہ
غزل جناب کفیل گلاوٹھوی	۳۸
〃 جناب بہمن متعلم کالج	۳۹
〃 جناب مستتر لکھنوی متعلم کالج	۴۰
〃 جناب نذیر علی گڈھی	〃
〃 جناب لطق ٹیپالوی متعلم کالج	〃
〃 جناب ولی اعظم گڈھی	۴۱
〃 جناب یاس ٹونکی	
〃 خادم حقیر آثم سہارنپوری	۴۲
اجلاس دوم جلسہ سالانہ مراثی	
مرثیہ جناب ابر قدوائی	
〃 جناب احسن مارہروی	
〃 جناب اختر اولڈ بوائے کالج	۱۶
〃 جناب داغ سنبھلی	۱۸

مضمون	صفحہ
مرثیہ جناب بدر جلالی مرادآبادی متعلم کالج	۲۳
〃 جناب رسا جالندہری متعلم کالج	۲۶
〃 جناب رضا الہ آبادی اولڈ بوائے کالج	۳۰
〃 جناب صفی لکھنوی	۳۱
〃 جناب عباس سہارنپوری متعلم کالج	۳۶
〃 جناب عزیز لکھنوی	۳۸
〃 جناب فضل میرٹھی متعلم کالج	۴۲
〃 جناب کیفی چڑیاکوٹی	۴۳
〃 جناب مضطر گلاوٹھوی	۴۴
〃 جناب ناظر اولڈ بوائے کالج	۴۵
〃 جناب سہیل اعظم گڈھی متعلم کالج	۴۹
〃 جناب دلگیر اکبرآبادی	
〃 خادم حقیر آثم سہارنپوری	

رپورٹ معتمد اعزازی انجمن حدیقۃ الشعراء (کالج پوئیٹکل سوسائٹی) مدرسۃ العلوم علی گڈھ بابت ۱۵-۱۹۱۴ء

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

[illegible] حالِ ما ز نگہ می تواں نمود ÷ حرفے ز حالِ خویش بہ سیما نوشتہ ایم

ناظرین!

بنائے انجمن

علی گڈھ کالج میں بزم مشاعرہ کا انعقاد ممکن ہے کہ بعض ارباب حل و عقد کی رائے میں ایک ایک بدعت سیئہ کا ارتکاب ہو۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مولانا حالی و شبلی علیہما الرحمۃ کی دلگداز نظموں اور جناب اقبال سلمہ اللہ العزیز کی رجز خوانیوں نے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا کر دی ہے کہ علاوہ قومی احساس کی بیداری کے وسعت زبان و ترویج خیالات پسندیدہ کیلئے شاعری سے زیادہ کوئی موثر و بہتر آلہ ابتک ایجاد نہیں ہوسکا ہے۔ بالخصوص چونکہ ہمارے کالج کا مقصد قومی اصلاح ہے لہذا کوئی وجہ نہ تھی کہ اس شعبہ کی اصلاح بھی اُس کے مد نظر نہ ہوتی۔ بفضلہ آج علیگڈھ کالج مسلمانان ہندوستان کا صحیح و حقیقی تعلیمی مرکز ہے اور یہ اسی درسگاہ کی خصوصیت ہے کہ مقامات دور و دراز کے طلبا اپنی زندگی کے چند بہترین سال یہاں یکجا رہکر گذارتے ہیں۔ جس کا نتیجہ علاوہ باہمی ارتباط و تبادلہ خیالات کے یہ بھی ہوتا ہے کہ طلبا اپنے اختلاف طبائع کے لحاظ سے خود بخود کالج کی اُن انجمنوں اور سوسائٹیز کی طرف کھنچ جاتے ہیں جنکی طرف اُن کا طبعی رجحان ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ علیگڈھ کالج میں آج ہر نوع کی انجمنیں موجود ہیں اور طلبا اپنے اپنے میلان و شوق کے مطابق اُنکی ترقی میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ ادبیات اُردو کے اس ممتاز حصہ (نظم) پر کالج کی نگاہیں آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے پڑتی چلی آئی ہیں۔ آ-

ہیں جبکہ چودہری خوشی محمد صاحب ناظر (حال گورنر ریاست کشمیر) اور مولانا فضل الحسن صاحب حسرت جیسے حضرات اہل علم وکمال حیثیت طالب علمانہ رکھتے تھے۔ کالج ہذا میں آفتاب ذوق شاعری نصف النہار تک پہونچا ہوا تھا۔ اُس زمانہ کے طلبار کی صحیح المذاقی کی اس سے بہتر اور کیا دلیل ہو سکتی ہو کہ نہ صرف نواب محسن الملک بہادر مرحوم نے بہ حیثیت آنریری سکرٹری کالج کے ایک عظیم الشان مشاعرہ کے انعقاد میں حصہ خاص لیا بلکہ اُس دوربین ونکتہ رس ہستی یعنی سرسید (اطاب اللہ ثراہ) کے زمانۂ حیات میں بھی ایک نہایت زبردست مشاعرہ حدود کالج میں ترتیب دیا گیا تھا۔ اس فن شریف کے متعلق خود جناب سرسید نے ایک موقع پر مولنا حالی مرحوم ومغفور کی ایک پُردرد نظم کی تعریف کرتے ہوئے برسر اجلاس کانفرنس فرمایا تھا کہ شاعری اگر راہِ مستقیم پر لگادی جائے تو قوموں اور ملکوں کے واسطے بجائے سدراہ ہونیکے فاتح ابواب ترقی ثابت ہوسکتی ہو۔

للہ الحمد کہ تاریخ کالج کے ہر دور میں اس پیکر برق وش کے دلدادگان صادق کے آثار موجود ہیں مگر چونکہ حسب منشاے قانون كُلُّ اَمرٍ مَرهُونٌ بِاَوقَاتِہٖ کوئی شے اپنے وقت مقررہ سے وقوع پذیر نہیں ہوتی ۱۹۱۴ء سے پیشتر اس شعبہ نے کالج میں کوئی باضابطہ شکل اختیار نہیں کی تھی اگرچہ احاطۂ کالج میں ہمیشہ سے شعرا واصحاب سخن کی تعداد کافی موجود رہتی چلی آتی تھی مگر صاحبان ذوق صرف وقتی مشاعرے منعقد کرکے دل بہلالیا کرتے تھے۔ فی الحقیقت اس خیال نیک فال کا سہرا جناب سید ظفر حسن صاحب بی اے اعوانپوری (یکے از طلبار کالج) ہی کے سر رہے گا جو خود علاوہ صاحب ذوق ہونیکے اپنے دل میں وسعت زبان کا بھی درد رکھتے تھے کہ آخرکار یہ تحریک صاحب موصوف اُس زمانہ میں جبکہ والا جناب ڈاکٹر ضیار الدین احمد صاحب سی آئی۔ ای بہ حیثیت قائم مقام پرنسل کالج تھے بتاریخ ۷ فروری ۱۹۱۴ء اس انجمن کا افتتاح کیا گیا۔ یہ انجمن ہذا کی خوش نصیبی تھی کہ حسب رائے جناب ڈاکٹر صاحب موصوف جناب قاضی جلال الدین صاحب لکچرر نے باوجود اپنے مشاغل کثیرہ کے اُس کا صدر ہونا قبول فرمایا۔ معتمدیت اعزازی کے لئے یہ حقیر تجویز کیا گیا اور جناب غلام محی الدین صاحب اسیر نائب معتمد اعزازی قرار پائے۔

کارگذاری انجمن یہ مختصر سی تاریخ ہی انجمن ہذا کے افتتاح کی۔ اس انضباط اساسی کی رو سے جو جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب نے بہ حیثیت پرنسپل منظور فرمایا تھا۔ انجمن ہذا کے اغراض مقاصد حسب ذیل قرار دیے گئے تھے۔

"موجودہ اُردو شاعری کا معیار بلند کر کے صحیح مذاق سخن پیدا کرنا اور بجائے مخرب اخلاق مبتذل اور محدود طرز شاعری کے علمی و اخلاقی اصناف سخن کی اشاعت اور اُردو میں منظر نگاری اور وسعت بیان وغیرہا کی ترویج و اشاعت"

اب دیکھنا یہ ہی کہ سال زیر رپورٹ میں انجمن نے ان اغراض و مقاصد کے پورا کرنے میں کیا حصہ لیا۔ اور یہ کہ اُس سے کیا نتائج برآمد ہوئے۔

سب میں پہلا کام جو عہدہ داران انجمن نے کیا وہ اعضائے انجمن کا تعین تھا۔ حسب قواعد مجوزہ اعضائے انجمن کا نظام اراکین و شرکا پر مشتمل ہی۔ اراکین میں صرف وہ طلبا جو شعر کہتے ہیں، داخل ہو سکتے ہیں۔ البتہ شرکا کے لئے شاعر ہونا ضروری نہیں ہی تاہم سخن فہمی کا مذاق سلیم اور اُردو علم ادب سے دلچسپی رکھنا لازمی ہی۔ تاسیس نظام کے بعد جو امر خاص کر محتاج توجہ تھا۔ وہ انعقاد مجالس کا اصول تھا۔ اسکی نسبت اگرچہ بلحاظ مقاصد انجمن ابتدا ہی سے یہ رائے تھی کہ انجمن کے مشاعروں میں غزلیات طرحی کا شیوۂ فرسودہ چھوڑ کر صرف مضامین مقررہ پر نظمیں پڑھی جائیں۔ لیکن چونکہ فوری انقلاب تقریباً ناممکن تھا۔ کیونکہ زمانہ ہر شے کی اصلاح صرف بتدریج ہی کر سکتا ہی۔ لہذا یہی مناسب سمجھا گیا کہ گو جلسہ مشاعرہ انجمن میں ہر دو اصناف شاعری (یعنی غزلیات طرحی و مضامین منظومہ) پر طبع آزمائی کرنے کی اجازت دیدی جائے لیکن نسبتاً مضامین کو زیادہ فروغ دیا جائے۔ اسکے ساتھ اس بات کا بھی خاص التزام رکھا جائے کہ غزلیات میں سوقیانہ او مخرب اخلاق مضامین نہ ہوں۔

جلسہ ہائے انجمن اسی اصول کے مطابق انجمن نے سال زیر رپورٹ میں دو غیر طرحی مشاعرے اور سات طرحی مشاعرے منعقد کئے جن میں غزلوں کے لئے حسب ذیل طرحیں اور نظموں کے لئے حسب ذیل عنوان مقرر کئے گئے تھے۔

مصرعہ ہائے طرح

(۱) ہمنے بکھرے ہوئے تسبیح کے دانے پائے ۔ ۔ ۔ ۔ دانے قافیہ

(۲) سرعت ہی نبض کی رگ سنگِ مزار ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ مزار ″

(۳) زبانِ تیغ بھی جاری صدائے مرحبا رکھے ۔ ۔ ۔ مرحبا ″

(۴) ابتک تو ٹپکتا ہی لہو دیدۂ تر سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تر ″

(۵) میری فریاد ہی اے داورِ محشر فریاد ۔ ۔ ۔ ۔ محشر ″

(۶) کب تک جمالِ ذرۂ لیلےٰ کرے کوئی ۔ ۔ ۔ ۔ لیلےٰ ″

(۷) ذرہ چاہے تو تھکادے مجھے صحرا ہوکر ۔ ۔ ۔ ۔ صحرا ″

عنواناتِ نظم

(۱) لطفِ بہار

(۲) منظرِ آبی

(۳) پھول

(۴) قطرۂ اشک

(۵) مرثیہ علامہ شبلی مرحوم یا مولانا حالی مغفور

ان مشاعروں میں بالتخصیص ۳ مشاعرے یعنی ع۱ ع۶ اور ع۷ (بمطابق مصرعہ ہائے طرح) و ع۱ و ع۴ و ع۵ (بمطابق عنوانات نظم) قابلِ ذکر ہیں ۔ انمیں سے پہلا مشاعرہ جلسۂ اولڈ بوائز علی گڈھ کالج کے موقع پر ماہ مارچ ۱۹۱۴ء میں منعقد ہوا تھا ۔ اور اپنے رنگ کا نہایت شاندار مشاعرہ تھا ۔ اس جلسہ میں علاوہ اعضائے انجمن و طلبائے کالج کے اولڈ بوائز کی بھی کافی تعداد موجود تھی ۔ اولڈ بوائز میں سے مسٹر مسعود حسن ۔ حاجی محمد عیسیٰ خاں صاحب رئیس دتاولی ۔ عبدالغفار صاحب خضر بی اے سید محمد ہادی صاحب بی اے ایل ایل بی ۔ ابوالبیان محمد رضا صاحب رضا صدیقی الہ آبادی وغیرہم نے ازراہ عنایت اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا ۔

دوسرے مشاعرہ کا اجلاس نومبر میں ہوا تھا ۔ اس موقعہ پر انجمن ہذا کی خوش نصیبی سے

عالیجناب نواب سید امداد امام صاحب اثر رئیس اعظم عظیم آباد بہ تقریب نکاح جناب سید راس مسعود بی اے بیرسٹر ایٹ لا علی گڈھ تشریف لائے ہوئے تھے۔ انجمن کی استدعا پر آنجناب نے جلسہ ہذا میں نہ صرف شرکت فرماکر اپنے کلام بلاغت التیام سے حاضرین جلسہ پر عالم وجد طاری کیا بلکہ اعضائے انجمن کی التماس نیازمندانہ پر انجمن ہذا کا سرپرست ہونا بھی قبول فرمایا۔ مزید برآں بقصد نوازش مقاصد انجمن کے ساتھ اپنی گہری دلچسپی کا اظہار ہمدردانہ اور اپنی تصانیف کے عطیہ کا وعدہ فرمایا اسی جلسہ میں جناب راجہ جعفر علیخاں صاحب رئیس نبیڈراول۔ سید راس مسعود صاحب اور مسعود حسن صاحب بھی ازراہ کرم نقد عطیات کا وعدہ فرمایا لیکن بدقسمتی سے ہنوز ایک رقم بھی وصول نہ ہو سکی جسکی نسبت امید ہی کہ حضرات موصوف جلد ایفائے وعدہ فرما کر انجمن کو شکرگذاری کا موقعہ عطا فرمائینگے

آخر الذکر مشاعرہ سال زیر رپورٹ کا سب سے زیادہ ممتاز جلسہ تھا کہ اس میں مختلف مقامات کے مشہور اساتذہ و شعرا نے بھی بدعوت انجمن ازراہ خلوص اپنی شرکت سے انجمن کو معزز و مشرف فرمایا تھا۔ یہ مشاعرہ انجمن کا سالانہ مشاعرہ تھا جو جدید عہدہ داران انجمن کے دور عمل کی تقریب افتتاح میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس جلسہ کے متعلق ناظرین کو صاحب صدر انجمن کی اس رپورٹ سے جو گلدستہ ہذا میں درج ہی پوری کیفیت واضح ہوگی۔

محترم ناظرین! یہ ہی ہماری ناچیز مساعی کی سرگذشت۔ اب ہماری کامیابی اور ناکامیابی کا فیصلہ اس کا حق آپ کو ہی تاہم مقصد کی اہمیت اور ابتدائے کار کی مشکلات کا لحاظ کر کے یہ کہنا غالباً خودستائی کا مرادف نہ سمجھا جائیگا کہ اب تک جو کچھ بھی ہوا وہ ہماری امیدوں سے کہیں زیادہ اور آئندہ کیلئے بہت کچھ حوصلہ افزا ہی۔ اور ہماری تو دلی آرزو یہ ہی کہ جس طرح عمرانیات و اخلاقیات میں علیگڈھ تعلیم یافتہ مسلمانوں کیلئے سرچشمہ ہدایت ہی اسیطرح یہ انجمن بھی آگے چل کر مذاق سخن کی اصلاح اور ملکی زبان کی توسیع میں تمام اسلامی ہند کیلئے پیشرو ثابت ہو۔ وما توفیقنا الا باللہ

مجالس انجمن کو کامیاب بنانے کے ضمن میں مجھے عموماً تمام اعضائے انجمن کا اور خصوصاً محبین مکرمین جناب غلام محی الدین صاحب اسیر نائب معتمد اعزازی۔ اقبال احمد خانصاحب سہیل

سجاد علی صاحب انصاری آثر - فضل الرحمن صاحب قدوائی نجمی - محمد حاذق صاحب حاذق - بدر الحسن
صاحب بدر جلالی - سید علی عباس صاحب عباس - علی اکبر خانصاحب شروانی علی - محمد اسمٰعیل صاحب مدہن
محمد کبیر نصیر خانصاحب رسا - ابو البیان محمد رضا صاحب رضا - عبدالحمید صاحب حمید - (حال اڈیٹر نظارہ) اور سید
ممتاز احمد صاحب تنہا کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے جو ہمیشہ اپنے افکار رسا سے رونق مشاعرہ کو دوبالا کرتے
اور انتظام انجمن میں اس حقیر کو ۔ طور ۔ د دیتے رہے

نورتن حسب قواعد انجمن صاحب صدر انجمن بمنظوری جناب صاحب پرنسپل بہادر کالج آخر ہر سال
میں انجمن کے بہترین ۹ شعرا کی ایک جماعت منتخب کرتے ہیں جو اُس سال کی "نورتن" کے نام سے
موسوم ہوتی ہے - اسی قاعدہ کے بموجب سنہ ۱۵-۱۹۱۴ء کی منتخب شدہ جماعت نورتن میں حسب ذیل اراکین
انجمن شامل ہیں :-

(۱) حقیر ایوب احمد آثم ... معتمد اعزازی انجمن
(۲) جناب غلام محی الدین صاحب اسیر نائب معتمد اعزازی انجمن
(۳) جناب فضل الرحمن صاحب قدوائی نجمی - رکن انجمن
(۴) جناب سجاد علی صاحب انصاری آثر ... "
(۵) جناب اقبال احمد خانصاحب سہیل ... "
(۶) جناب محمد حاذق صاحب حاذق رکن انجمن
(۷) جناب بدر الحسن صاحب جلالی بدر "
(۸) جناب علی اکبر خانصاحب علی .. "
(۹) جناب سید علی عباس صاحب عباس رکن انجمن ۔

سرمایہ انجمن سب سے زیادہ مشکل سوال جو اس انجمن کے قیام کے ساتھ ہی پیش آیا سرمایہ
کا تھا - اس سلسلہ میں حسب قواعد انجمن یہ انتظام کیا گیا کہ اعضاے انجمن سے کوئی مقررہ فیس
نہ وصول کیجائے بلکہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ یا بلحاظ ضرورت اُن سے وقتی چندہ جمع کر لیا
جاوے - اس راہ دشوار سے بعض مواقع پر انجمن کا گذرنا نہایت مشکل ہوگیا تھا مگر جس طرح
بھی بن پڑا ضروریات انجمن پوری کیگئیں - اس باب میں انجمن عالیجناب نواب محمد اسحٰق خاں
صاحب بہادر سکرٹری کالج - جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب سی آئی - ای - سینیر پروفیسر کالج جناب
مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی ٹرسٹی کالج - جناب خواجہ عبدالمجید صاحب بیرسٹرایٹ لاء

ٹرسٹی کالج۔ اور جناب مولانا عبدالحق صاحب حقی پروفیسر کالج۔ اور جناب کنور حیات علیخانصاحب آتش رئیس اترولی ضلع علیگڈھ کے بدل مرہون منت ہیں کہ اُنہوں نے اکثر مواقع پر انجمن ہذا کا ساتھ دیا اور دامے۔ درمے سخنے۔ الغرض ہر طرح اُسکی ترقی کے بہی خواہ رہے۔ اور حقیقت بھی کچھ یونہیں ہے کہ اس عرصہ میں انجمن ہذا کی زندگی کا مدار ایک حد تک انہیں حضرات کے وجود باوجود ہی پر رہا۔

مستقل انجمن حسب قواعد انجمن چونکہ عہدہ داران انجمن صرف ایک سال کیلئے منتخب ہوتے ہیں لہٰذا ۲ر فروری ۱۹۱۵ء کو جدید عہدہ داران انجمن کا انتخاب عمل میں آیا جسمیں بکثرت آرا جناب محمد حاذق صاحب حاذق سہارنپوری معتمد اعزازی اور جناب بدرالحسن صاحب بدر جلالی مرادآبادی نائب معتمد اعزازی منتخب ہوئے۔ ان اصحاب کی اعلیٰ قابلیت انتظامیہ و کمال سخن سنجی سے اُمید کامل ہے کہ آسمان شہرت انجمن کے چار چاند لگا دینگے اور جو کچھ کہ اُسکے بانیوں کا مقصد ہے اُسے پیش نظر رکھکر اُسکی ترقی و بہبودی کے لئے کوشاں ہونگے۔

محسنین انجمن کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں مسٹر جے. پی. ٹول پرنسپل کالج کا شکریہ ادا کرنا نہایت ضروری ہے کہ اُنہوں نے عہدہ داران انجمن کی ہر طرح ہمت افزائی فرمائی۔ اور اسطرح اپنے غایت درجہ حسن سلوک و ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ بعینہٖ انجمن جناب اڈیٹر و سب اڈیٹر صاحبان علیگڈھ منتھلی کی بھی از حد ممنون ہے کہ اُنہوں نے ازراہ مہربانی انجمن ہذا کے ماہانہ خلاصہ گلدستہ و رپورٹ کو ہمیشہ اپنے گرانقدر پرچہ میں جگہ دی۔

ناظرین! آخر میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ انجمن ہذا کی جو کچھ کارگزاری آپ صاحبان کے پیش نظر ہے اُس پر تنقیدی نظر ڈالنے سے پیشتر جناب اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ سال زیر رپورٹ انجمن کی عمر کا صرف پہلا سال ہے۔ عہدہ داران انجمن کو اعتراف ہے کہ ابھی تک نظام انجمن ہذا میں کثیر التعداد نقائص موجود ہیں لیکن اسی کے ساتھ اُنکی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ انجمن ہذا کے ان نقائص کو حتی الوسع نہایت جلد دور کرکے اُسے ایک ایسی انجمن ثابت کرسکیں جس کا قیام مقتضائے زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملک کے لئے نہایت سودمند ہے۔ خدا کرے کہ یہ نخل اُمید شاداب و بارآور ہو۔ آمین ثم آمین ؎

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا ... ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہمسے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا۔ ہوا کرم سے تیرے ... جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

فقط

حقیر پرتقصیر
ایوب احمد آثم۔ سہارنپوری ستراللہ عیوبہٗ
(سابق) معتمد اعزازی انجمن

فروری ۱۹۱۵ء

رپورٹ جناب قاضی جلال الدین صاحب جلال لکچرر کالج صدر انجمن حدیقۃ الشعر

بابت جلسہ سالانہ انجمن منعقدہ فروری سنہ ۱۹۱۵ء

جل جلالہ وعم نوالہ

جھکائے سر کو جلال اور قدم بڑھائے ہوئے
تلاش کسکی ہے کس کی ہو لو لگائے ہوئے

ابھی سے خندۂ گل اور گریۂ بلبل!
ہوئے ہیں دو ہی تو دن یہ چمن لگائے ہوئے

علی گڑھ کالج! علوم مغربیہ کی درسگاہ فنون درسیہ جدیدہ کا پشت و پناہ ۔ تشنہ کامان السنہ یورپ کیلئے آبحیات ۔ متلاشیان وجہ معاش کے حق میں راہ نجات ۔ الہ آباد یونیورسٹی کے جو تعلیمی کا ایک بلند پرواز طیارہ ۔ قیود نصاب و قوانین امتحان کے نظام کا ایک درخشاں سیارہ ۔ آسمان فلسفہ ومنطق کا آفتاب نصف النہار دنیائے ریاضیہ کیلئے ضیاء الابصار ۔ اکنامکس کا خزانہ ۔ تاریخ وسیر کا سرچشمہ ۔ فزکس کا مخزن ۔ کیمسٹری کا معدن فزیالوجی کی جان ۔ بیالوجی کا روح روان ۔ عربی و فارسی حتی کہ سنسکرت کے علوم ادبیہ کی کان ۔ غرضکہ کالج ہر علم وفن کا مرکز اگر نہیں تو صرف بیچاری اُردو زبان بےزبان ۔ پھر اس فن کی سوسائٹی جو نہ داخل نصاب ہے ۔ نہ جسکی تعلیم کا کوئی خارجی سامان ۔ اور ان سب پر یہ طُرہ کہ اس سوسائٹی کی سربراہ کاری کیلئے وہ شخص منتخب ہو جو کسی حیثیت سے اس بار گراں کا متحمل نہ ہو سکے ۔ لیکن اُن چند ذہین وطباع ذی علم ولیاقت طلبائے کالج کی خواہش پر جنہوں نے اس نمائشی زمانہ کے عالی شان محلوں کے برقی روشنی ہی میں دولت علم کی ٹیپ ٹاپ نہیں حاصل کی ہے بلکہ جنکے قلوب پرانے خس پوش مکتبوں کے ٹوٹے بوریوں پر ٹمٹماتے چراغ کے ضو میں علم وفن کی روشنی سے منور ہو چکے ہیں ۔ میں نے ایک حد تک اس ذمہ داری کو قبول کیا اور مثل دیگر انجمن ہائے کالج کے شعر وسخن کی سوسائٹی کو بھی باقاعدگی اور باضابطگی کے لباس سے آراستہ کرنیکی سعی کی ۔ اصل محرکوں کے نام نامی ذیعلم معتمد اعزازی کی رپورٹ میں درج ہو چکے ہیں لیکن میں اپنے ادائے فرض شکرگزاری میں قاصر رہونگا اگر "سیاہ وسفید" میں یہ ظاہر نہ کروں کہ مجھکو میرے محترم دوست پروفیسر ولایت احمد صاحب ایم اے نے اپنی موثر تحریک سے آمادہ کیا کہ میں اس سوسائٹی کو حسب قواعد ونظام کالج ترتیب و منتظم کردوں ۔ چنانچہ عالیجناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سی آئی ای قائمقام پرنسپل کالج نے میری درخواست بنا بر قیام انجمن حدیقۃ الشعراور اُس کے قواعد وضوابط کو باضابطہ منظور فرمایا ۔ اور بعدازاں اسکی اہمیت سے واقف ہو کر قدردان شعر وسخن وپشت وپناہ علوم دکھن یعنی عالی جناب نواب محمد اسحق خانصاحب بہادر آنریری

سکرٹری کالج دامت فیوضہم کی طرف سے حوصلہ افزائی اور اعلیٰ حضرات مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی خواجہ عبد المجید صاحب بورڈنگ ممبر۔ و صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب ایجوکیشنل ممبر و مسٹر رزاق بخش قادری ممبر ڈائننگ ہال۔ و شیخ عبد اللہ صاحب فنانس ممبر علی گڑہ کی جانب سے اظہار ہمدردی اور عزم سرپرستی دیکھکر حسب موقع کارروائی شروع کردی گئی۔ اور علاوہ اُن ماہوار معینہ جلسوں کے جنکی تفصیل سکرٹری صاحب انجمن نے اپنی رپورٹ میں کی ہی۔ تمام اہم واقعات پر جنمیں دو مرتبہ ہز آنر حضور سر جیمس مسٹن بہادر بالقابہ لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ کا نزول اجلال اور دو مرتبہ علیا حضرت ہر ہائی نس حضور بیگم صاحبہ بھوپال زاد اللہ اقبالہا کا ورود مسعود بھی شامل ہی انجمن ہذا کے پریسیڈنٹ اور سکرٹری اور ممبران سوسائٹی کی تصنیف کردہ نظمیں پڑھی گئیں۔ اور اُنکے ابتدائی اضافہ مجلس علاوہ ہر جلسہ کی رونق دوبالا ہونیکے بطرز پسندیدہ اظہار خیالات بھی ہوا۔ اور فی الواقع یہ خودستائی نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہی کہ کالج کی تمام سوسائٹیوں میں سے اس یونکل سوسائٹی یعنی انجمن حدیقۃ الشعرا ہی کو یہ فخر حاصل ہی کہ اگر اُسکو موقع دیا جاوے تو ہر بڑے سے بڑے دربار شاہانہ تک میں وہ کالج اور اپنی قوم کے ترجمان دل بنکر اُنکی جائز خواہشات اور قلبی جذبات کو بطریق احسن پیش کرسکتی ہی۔ اور یہ صرف اسی سوسائٹی کا فرض ہوسکتا ہی کہ وہ نہ صرف حدود کالج کے اندر اپنی پُر زور تاثیر کلام سے جذبات نفس کو صحیح راستہ پر ڈالتی رہے۔ بلکہ تمام ہندوستان کے اساتذہ فن کی توجہ اُن عیوب اور اخلاق سیۂ کی جانب مبذول کراکے ایک ایسے رہنماؤں کی جماعت طیار کرے جنکے ایک ہاتھ میں علم و حکمت کی مشعل ہو اور دوسرے میں تنبیہ و تہدید کا تازیانہ۔ جو اپنی سحر بیانی سے نونہالان قوم کے قلوب سے تمام وہ نقوش زائل کردیں جو قابل اصلاح صحبتوں اور قابل اعتراض نظموں کے ذریعہ سے ان کے آئینہ دل میں منقش ہوگئے ہوں یا ہوجانے کا احتمال رکھتے ہوں۔ جو اپنے پُر زور قلم سے اقوام متمدنہ کی اُن صفات حسنہ کو دلوں میں جاگزین کرادیں جنکے اختیار کرنے پر ہر قوم و ملت کی نہ صرف ترقی بلکہ بقاے حیات منحصر ہی۔ اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اپنے علم دوست سکرٹری محمد ایوب احمد صاحب آثم کی اس تحریک کو کہ سالانہ جلسہ انجمن میں منتخب شعراے ہند کو بھی اپنی بساط کے موافق دعوت دیجاوے تاکہ وہ ہمارے لئے زندہ نمونہ کا کام دیں۔ نہایت خلوص کے ساتھ منظور کیا۔ میرا فرض ہی کہ میں دلی شکریہ عالیجناب مسٹر جے ایچ ٹول پرنسپل کالج کا ادا کروں کہ اُنھوں نے انعقاد جلسہ کی اجازت کے ساتھ ایسی سہولتیں بھی پیدا کردیں کہ انجمن کا سالانہ اجلاس نہایت خیر و خوبی کے ساتھ سرانجام کو پہونچا۔ نیز ہم اس امر کی بابت اُن کے احسانمند ہیں کہ اُنھوں نے "کالج نائن" یعنی "نورتن کالج" کا نیا اسٹیج ایوننگ ایسا ہی میں دلی شکریہ اپنے عزیز دلدادہ مسٹر ابو البیان "رضا" صاحب کا ادا کرتا ہوں جنھوں نے محض اپنی محبت اور اخلاص سے سوسائٹی کی بہی خواہی میں ہمہ تن کوشش جاری رکھی اور اسکے لئے ہر طرح سے

مددکی۔ سکرٹری و جائنٹ سکرٹری۔ ممبران و اعیان انجمن کی تندہی اور دلچسپی اور نیز شرکاء و طلباء کالج کا قابل ستائش رویہ ہر دو اجلاس جلسہ سالانہ کی کامیابی کا سبب ہوا اور اس لئے یہ سب حضرات سوسائٹی کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

انعقاد جلسہ سے کئی ہفتہ پیشتر علاوہ لوکل شعرا نامدار کے اُس وقت جس قدر اسماے گرامی اساتذہ ہند کے معلوم تھے اُن کی خدمات عالی میں عریضہ ہاے دعوت روانہ کئے گئے چنانچہ حسب ذیل حضرات نے ازراہِ ذرہ نوازی مقامات دُور و دراز سے قدم رنجہ فرما کر اپنی شرکت سے انجمن کی حوصلہ افزائی اور اپنے بیش بہا کلام سے حاضرین کو بہرہ مند فرمایا۔

جناب مولنا شاہ سید محمد احسن صاحب احسن مارہروی۔
جناب مولنا سید شرف الدین صاحب یاسؔ ٹونکی۔
جناب سید امیر حسن صاحب دلیر مارہروی۔
جناب منشی فضل رب صاحب باغ سنبھلی۔
جناب سید حسین احمد میاں صاحب بیباک شاہجہانپوری۔
جناب آغا شاعر صاحب قزلباش شاعر دہلوی۔
جناب شاہ نظام الدین صاحب دلگیر اکبرآبادی اڈیٹر رسالہ نقاد۔
جناب حکیم شاہ ابوالمحاسن صاحب شفیق حیدرآبادی اڈیٹر رسالہ خیال
جناب منشی سید ابن علی صاحب رفیق ہاپوڑی
جناب قاضی عطاء الحق صاحب عطا سہارنپوری
جناب بابو پربھو دیال صاحب شام اکبرآبادی
جناب سید صفی اللہ صاحب مضطر گلاوٹھوی۔
جناب کنور حیات علی خاں صاحب آتش رئیس اترولی ضلع علی گڈھ۔
جناب مولوی عبدالغفار صاحب اختر بی اے سکرٹری میونسپل بورڈ (اولڈ بواے کالج)
جناب ابوالبیان محمد رضا صاحب رضا صدیقی الہ آبادی ۔ ۔ ۔ "
جناب عبدالحمید صاحب حمید میرٹھی اڈیٹر رسالہ نظارہ ۔ ۔ ۔ "
جناب سید ممتاز احمد صاحب سہا بلندشہری ۔ ۔ ۔ ۔ "
جناب قاسم علی خاں صاحب شروانی قاسم سکندروی

جناب سید کفیل احمد صاحب کفیلؔ گلاوٹھوی متعلم میرٹھ کالج۔

جناب عبد العزیز صاحب عزیزؔ علی گڈہی

جناب نذیر احمد صاحب نذیرؔ

اس جلسۂ سالانہ کو دو اجلاسوں میں منقسم کیا گیا تھا۔ ایک میں جدید عہدہ داران انجمن کے دور عمل کی تقریب افتتاح کے بعد مشاعرہ بر مصرع طرح منعقد ہوا۔ اور دوسرے میں مشاعرہ بر مضمون مقررہ۔ پہلا اجلاس ۸½ سے لیکر ۱۲ شب تک رہا اور دوسرا صبح کے ۸½ بجے سے دوپہر تک۔ از اول تا آخر جس شوق سماعت اور انہماک سے حضار جلسہ نے کام لیا وہ اتنی دیر طلب مجالس میں کم دیکھا گیا ہے۔ مجھکو اتنی جرأت نہیں کہ نام بنام اور فرداً فرداً تنقیدی ریمارک کر سکوں لیکن اشارۃً اس قدر عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ایک استاذ نے بطریق احسن اپنے کو سرمایہ دار علم ادب ثابت کیا تو دوسرے نے اپنی خداداد موزونیٔ طبعی اور شیوا بیانی بالخصوص اپنی تضمینوں سے سامعین کے دلوں کو باغ باغ کر دیا۔ اگر ایک استاذ فن نے اپنے زور قلم اور نتیجہ فکر بلیغ سے اردو شاعری کی طرف سے یاس کو مبدل بہ توقعات خوش آیند کر دیا تو دوسرے کی وقادی اور نقادی نے نقد سخن کے کھرے کھوٹے میں تمیز کرنا سکھلا دیا۔ سمت لست سے اگر ایک بزرگ نے اپنے کو راہ و رسم شعر و شاعری کا رفیق ثابت کیا تو سمت جیب سے اُس شیریں زبانی کے ساتھ گل افشانی کی گئی کہ اُس سے زیادہ ارباب سخن کا کوئی شفیق نظر نہ آیا۔ کوئی اختر برج سعادت کی طرح آسمان علم عروض سے چمکا تو کسی نے بزبان خوب و مرغوب نہایت بیباکی سے سامعین باتمکین میں اپنی نتیجہ فکر رسا کو ہر دل عزیز بنا دیا۔ ایک جانب سے کسی نے نکتہ سنجی اور جادو خیالی کا عالمانہ دلیری سے نقشہ جمایا تو دوسری طرف سے کسی آقائے ملک سخن اور شاعر عذب البیان نے یونین ہال کو رشک نیشکرستان بنا دیا۔ ایک قادر الکلام نوجوان نے شاخسار شیوا بیانی سے بطرز حمیدہ خوش آہنگی فرمائی تو اُن کے دوسرے ہم نوا نے اپنے خیالات طیب و طاہر سے پاکیزگی کلام کا گویا مجسمہ پیش کر دیا۔ اپنی باری پر ایک صاحب نے من جملہ فیوض باری عطائے زور کلام کا حق ادا کیا تو معاً دوسرے صاحب نے اپنی آتش بیانی سے ارباب مجلس کے دلوں میں شوق زباندانی کی ایک آگ بھڑکا دی۔ اور جب سامعین کی طبیعت کے پگھلاؤ کا یہ وقت آپہونچا تو ایک ماہر سخن اُٹھے اور اپنے اُمنگ افزا طرز بیان سے سب کو مضطر و مضطرب کر دیا۔ غرضکہ ہمارے معزز مہمانوں نے اپنے نوجوان داعیوں کی دعوت کو نہ صرف دل سے قبول کیا۔ بلکہ بہ طرح اپنی شرکت سے انکی حوصلہ افزائی فرمائی۔ حالانکہ اپنی بے بضاعتی اور ناتجربہ کاری سے وہ کسی طرح اپنے باوقعت مہمانوں کی اس طرح خدمت نہ کر سکے جو عموماً ہندوستان

کے مشاعروں میں زیر دستور ہی۔ جسکی نسبت اُمید ہی کہ وہ اپنی عالی ہمتی سے سوسائٹی کی اس قسم کی فروگذاشتوں کو نظر انداز فرما دینگے۔

شعراء باکمال جنہوں نے تشریف نہ لانیکے سبب اپنی قیمتی نظمیں ارسال فرمائیں اُنکی بھی سوسائٹی نہایت ممنون احسان ہی اور اُس کو فخر ہی کہ کالج کے مایۂ ناز شاعر نازک خیال یعنی جناب چودھری خوشی محمد خاں صاحب ناظر گورنر کشمیر نے رابطۂ دیرینہ کو تازہ کیا اور اپنے کلام بلاغت التیام کے بھیجنے سے اُس رشتۂ اخوت کو اور بھی مضبوط کیا جو اُنکی ذات کو ابتدائے کالج سے وابستہ کئے ہوئے ہی۔ اور اس سے زیادہ ہم حضرات کرمین جناب عزیز لکھنوی۔ جناب ریاض خیرآبادی و جناب صفی لکھنوی اور جناب آبر رامپوری وغیرہم کے بدل مشکور ہیں کہ بغیر اُس قسم کے رابطۂ قدیم کے جو منشی ناظر کو کالج سے ہی اُنہوں نے قدم رنجہ نہ فرما سکنے کی صورت میں اپنی بے بہا نظموں سے حضار جلسہ کو فیضیاب فرمایا۔ اور سوسائٹی کو جو ہمیشہ ایسے اساتذہ کی سرپرستی کی محتاج رہیگی خاص عزت بخشی۔ ان حضرات کے والانامے بھی اُن کی نظموں کے ساتھ گلدستۂ ہذا میں مطبوع ہیں۔ اسی طرح ہم جناب خیال جناب برتر۔ جناب فضا۔ جناب آشک اور جناب کیفی کے مرہون منت ہیں کہ اُنہوں نے بھی اپنا کلام بلاغت نظام ارسال فرما کر رونق مشاعرہ کو دوبالا فرمایا۔ اس امر کا طے فرمانا کہ ہمارے کالج کے نوجوان شاعروں نے کس پیمانہ کا کلام پیش کیا اور کس درجہ تک وہ کالج یونٹکل سوسائٹی کی عزت برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ ہمارے معزز مہمانوں اور اُستادوں کا کام ہی۔ مجھے اس معاملہ میں ساکت رہنا ہی مناسب ہی۔

سوسائٹی کے اصول میں چونکہ رفتہ رفتہ مضامین کو تغزل پر ترجیح دینا ہی اس لئے اس جلسہ کے مصرع طرح کے ساتھ نوحہ جات مولنا حالی مرحوم و مولانا شبلی مغفور معین کئے گئے تھے جن کی وفات کو ابھی چند روز ہوئے تھے اور جنکی قومی خدمات کا اعتراف شعراء ہند کی طرف سے اس سے بہتر صورت میں نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اس فرض کو نہایت خلوص اور صداقت کے ساتھ ادا کیا گیا جیسا کہ مجموعہ نظموں سے ظاہر ہوتا ہی۔

ذیعزت مہمانوں کے علاوہ مندرجہ ذیل ٹرسٹی صاحبان اور دوسرے بزرگوں نے جلسہ کو معزز فرمایا مولنا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب۔ مسٹر خواجہ عبدالمجید صاحب۔ خان بہادر سید جعفر حسین صاحب۔ سید نثار حسین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ انہار۔ قاضی عزیزالدین صاحب ڈپٹی کلکٹر۔ حاجی محمد عیسیٰ خاں صاحب رئیس علیگڈھ۔ سید جواد حسین صاحب منصف

سوسائٹی کالج اور اسکول کے اُن فضلائے کبار اور افسران محکمہ جات کالج کی مشکور ہے جنہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کرکے جلسہ کی اہمیت میں افزائش فرمائی۔

انطباع رپورٹ و گلدستہ کا معاملہ اسلئے اہم تھا کہ ہمیں بلحاظ حیثیت انجمن صرف کثیر کا سوال عارض تھا۔ اور دقت یہ ہوئی کہ رقوم موعودہ جو اس انصرام کیلئے کافی ہوتیں وصول نہ ہوئیں۔ تب مجبور ہوکر اپنے قدیم مربیوں ہی کی طرف جو آئے دن نئے نئے چندوں سے زیر بار رہتے ہیں رجوع کی اور عالیجناب نواب صاحب بہادر قبلہ سکرٹری کالج کے عطیہ ؎ اور عالیجناب مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کے عطیہ مبلغ ؎ سے چھپائی کا کام شروع کردیا گیا۔ یہ رقوم اتمام کار کے لئے کافی نہ تھیں تاہم ان کے ذریعہ سے کام جاری ہوسکا۔

بروقت اختتام جلسہ مسٹر محمد شوکت علی خاں صاحب نے غالباً بہ حیثیت اولڈ بوائے شکریہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "رات کی اور صبح کی مجلس کے بعد یقین ہے کہ آپکی چھوٹی سی مجلس مسلمانوں کیلئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگی۔ زمانہ کی ترقی میں شعراء کا کیا حصہ رہا ہے۔ اسکے بیان کرنیکی حاجت نہیں ہے۔ آج شعراء کا اس مرکز تعلیم میں آنا قوم کے بیجان تن میں نئی روح پیدا کرتا ہے۔ علمائے کرام جو علیگڈھ کالج کو بُرا سمجھتے تھے وہ کوشش میں ہیں کہ ہم انکے پاس جاویں اور وہ ہماری طرف آویں۔ آج کے اجتماع کا نتیجہ ابھی کچھ نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس کا نیک نتیجہ ہماری اولاد دیکھ سکیگی۔ شعراء نے مردہ بدن کو زندہ کیا شعراء نے اپنی ہستی کا احساس پیدا کیا ہے۔ یہ انجمن جسکو ہم مذاق سمجھتے تھے انشاءاللہ روح پھونکنے والی ہوگی میں شعر کا اثر محسوس کرتا ہوں اور اچھا کلام ہمیشہ دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے۔"

حضرت شاہ دلگیر صاحب اکبرآبادی نے شکریہ منجانب مہمانان ادا فرمایا اور اُمید ظاہر کی کہ حاذق جو اسوقت اسکے معمد اعزازی منتخب ہوئے ہیں وہ مریض قوم کیلئے طبیب حاذق ثابت ہونگے۔

بعد ختم اجلاس دوم شام کے وقت برٹشین سوسائٹی کالج کی طرف سے ایک شاندار پارٹی میں تمام مہمانان سوسائٹی مدعو کئے گئے اور اسکے بعد سالانہ اجلاس کا کام ختم ہوا۔

اس موقع پر میں تہ دل سے اُن تمام ممبران انجمن اور معاونین طلبا کی زحمت فرمائی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس موقع پر انجمن کو قلمے۔ درمے۔ قدمے امداد دینے میں ذرا پہلوتہی نہیں کی۔ اور ان میں سے بالخصوص احباب ذیل جنہوں نے علاوہ ادائے فرائض منصبی بطور والنٹیر کام کیا اور قیام

تواضع مہمانان میں مدد دی۔ قابل ذکر ہیں۔ محمد ایوب احمد صاحب آثم معتمد انجمن۔ محمد حاذق صاحب حاذق بدرالحسن صاحب بدر جلالی۔ سیف الدین احمد صاحب۔ ابوالبیان محمد رضا صاحب رضا۔ سید ہاشم احمد صاحب وڈیپلے۔ شمس الدین صاحب دہلوی۔

امداد انجمن میں وقت پر صرف دو حضرات یعنی خواجہ عبدالمجید صاحب بیرسٹرایٹ لا مربی انجمن۔ اور کنور محمد حیات علی خاں صاحب آتش۔ رئیس اترولی سے شرکت حاصل ہوسکی۔ باقی اخراجات کارکنان انجمن کے ذمہ رہے۔ جنمیں سے بہت زیادہ حصہ خود مسٹر آثم معتمد سابق اور مسٹر حاذق معتمد حال نے اپنی گرہ سے صرف کیا۔

انعاماتِ موعودہ بعد انعقاد جلسہ سالانہ میں نے تحریک کی کہ خاص مضامین کے لئے جو آیندہ ہمارے اُردو نصابوں میں جاگزیں ہونیکی قابلیت رکھیں انعامات اور تمغہ جات معین کئے جاویں۔ چنانچہ سب سے پہلے ہمارے محسن اور مربی جناب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے ۵۰ کے متعدد سونے اور چاندی کے تمغے۔ توحید پر نظم لکھنے کے لئے۔ اور جناب شیخ عبداللہ صاحب نے ایک رقم نصاب نسوانی کے لائق نظموں کے لئے۔ اور ڈپٹی سید نثار حسین صاحب نے تمباکو نوشی یا تھیٹر کے خلاف نظم کیلئے ۵ ۔ اور مسٹر منظور احمد بی اے اکاونٹنٹ کالج نے امانت و دیانت پر مضمون کی خاطر ۔ اور مولوی حق بغدادی پروفیسر کالج نے ۵ منظور فرمائے جو اجلاس آیندہ میں اعلان کئے جاوینگے۔

سب سے آخر کی دو سطریں میں اپنے باخلوص دوست مسٹر محمد ایوب احمد آثم کے تشکریہ کیلئے مختص کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی ذات کو اس اعتماد کا اہل ثابت کیا جو سائٹی نے ان سے مختص کیا تھا۔ انہوں نے سوسائٹی کی ایسی خدمت کی کہ گویا وہ اُسکے سکرٹری نہیں بلکہ بانی تھے۔ انکی رنگینیِ طبع ہمیشہ سزاوار صدآفریں رہی۔ اُن کو سخن طرازی کی مہارتِ شائستہ نے ہر جلسہ میں ہر دلعزیز رکھا۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر معلی القاب حضور سر جیمس مسٹن بہادر بالقابہ لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ نے دورانِ تقریر میں کالج کے "پوئٹ لاریٹ" کے نام سے ان کا حوالہ دیا۔ اُمید ہے کہ وہ اور اُنکے قائمقام ہمیشہ سوسائٹی کے زریں اصول مدنظر رکھکر اسکے مفید بنانے میں ساعی اور کوشاں رہینگے۔ اور دعا کہ سوسائٹی حکام کالج کی رائے میں معتبر۔ مربیان و معاونان کے دلمیں وقیع اور ممبران و اعیان و جملہ معلمین و متعلمین کالج کی نظر میں ہر دلعزیز رہے۔ آمین۔

خاکسار "جلال" عفی عنہ

ایم اے او کالج پولیٹکل سوسائٹی یا انجمن محمدیہ عقد الشعر علی گڈھ

مشاعرہ

اجلاس اوّل "تغزّل"

منعقدہ

فروری ۱۹۱۵ء بوقت ۸ ۱/۲ بجے شب

مصرعِ طرح

"ذرّہ چاہے تو دکھا دے مجھے صحرا ہو کر" صحرا قافیہ

میر مشاعرہ

جناب قاضی محمد جلال الدین صاحب جلال صدر انجمن پولیٹکل سوسائٹی علیگڈھ کالج

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ پریس علیگڈھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جناب قاضی محمد جلال الدین صاحب جلال مرادآبادی لیکچرر کالج
صدر انجمن ہذا

چکھ لئے سارے مزے طالبِ دنیا ہوکر
کچھ تو اب لطف اُٹھا طالبِ مولا ہوکر

کیا وہ انسان جو ہو دارِ بقا کے ہوتے
مائلِ دیرِ فنا عاقل و دانا ہوکر

عرصہ کون و مکاں میں نہ سمایا جو نور
قلبِ مومن میں چھپا نقطۂ بیضا ہوکر

کوہِ فاران پہ کبھی چمکی تری شمعِ وجود
کبھی سینا پہ گری برقِ تجلّےٰ ہوکر

تو جو چاہے تو نگہ تیرِ جگر دوز بنے
دل میں اک موے مژہ یار ہو برچھا ہوکر

مبدءِ حسن کی کر حسن کی دیوی میں تلاش
کیوں رہا جاتا ہے محوِ رُخِ زیبا ہوکر

رہ رو راہِ خدا کے لئے رستہ ہے یہی
سمتِ یثرب کو چلے جانبِ بطحا ہوکر

بامِ رفعت پہ پہونچنے کے لئے ہی یہ کمند
زلفِ پیچاں نہ پڑے پاؤں میں پھندا ہوکر

کیا حسینوں میں نہیں مہر و وفا؟ ہے لیکن
رہتی ہے مردمکِ چشم میں عنقا ہوکر

گُل و بلبل کے فسانوں کا گیا وقت جلالؔ
ملک و ملت کے لئے اب تو جو اچھا ہوکر

بلبل غریب جناب شیخ قربان احمد صاحب اشک و قربان سہارنپوری

تلمیذ جناب غریب سہارنپوری

دل سے میرے نہ گیا زلف کا سودا ہوکر
کوئی چھوٹا بھی ہی پابند جنوں کا ہوکر

ہین نہ مانوں گا۔ نہ مانونگا تری اے ناصح
جبتک آئیگا نہ عاشق تو کسی کا ہوکر

ہیں وہ ہوں سوختۂ عشق کہ جسکے دلمیں
لی جگہ داغ تمنا نے سویدا ہوکر

سوز الفت کا چھپائے سی کہیں چھپتا ہی
نکلی ہی آگ سر شمع سے شعلا ہوکر

درد سر دور ہوا آگ کلیجے میں لگی
مر گیا اور بھی بیمار یہ اچھا ہوکر

یا محبت ہے کرے غیر کو اپنا انساں
یا رہے عالم امکاں میں کسی کا ہوکر

نکلے کیا خلد سے اک حضرت آدم اے اشک
سب گئے کوچۂ معشوق سے رسوا ہوکر

جناب ارشاد علی خاں صاحب شروانی ارشاد سکندروی متعلم مدرسۃ العلوم علی گڈھ

توہی جب بات نہ پوچھے گا مسیحا ہوکر
پھر یہ بیمار کہاں جائے گا تیرا ہوکر

روز افزوں ہی ترا حسن۔ تو سبزہ خط کا
چاند سے چہرے کو چمکائے گا ہالا ہوکر

کیوں جلاتے ہو مجھے غیر کے گھر جاؤ مگر
میرے دروازہ سے گذرو نہ خدا را ہوکر

ایک بوتل کے عوض شیخ نے جبہ بیچا
اچھے داموں کو اٹھا پھر بھی پرانا ہوکر

منع جب مینے کیا غیر سے ملنے کو کہا
جائینگے جائینگے ہم جو تجھے کرنا ہو کر

اور تو کون دریا پہ پہونچائے گا
توہی اے اشک بہادے مجھے دریا ہوکر

یا رسول عربی تم سے تمہارا ارشاد
لو لگائے ہوئے بیٹھا ہی تمہارا ہوکر

جناب آبر رامپوری

(نقل گرامی نامہ)

جناب سکرٹری صاحب تسلیم

شرکت مشاعرہ کیلئے آپ کا رقعۂ دعوت اور تحریر مجھے ملی۔ آپ کی یادآوری کا شکر گذار ہوں لیکن اپنی حالت کے اعتبار سے مردہ اور افسردہ خاطر۔ تھوڑا ہی زمانہ ہوا کہ میرے گھر میں انتقال ہوگیا جس نے میرے دل و دماغ پر بہت خراب اثر ڈالا۔ ساٹھ برس کا سن پیری کا زمانہ۔ امراض لاحقہ سے زندہ بدتر از مردہ پھر اس پر یہ سانحہ۔ کیا عرض کروں کہ میری کیا حالت ہی۔ یہ مجبوری اپنی حاضری سے معذوری ظاہر کرتا ہوں حقیقت میں مجھے صبر ایوب کی کی ضرورت ہی خدا سے دعا ہی کہ عطا کرے۔

مولوی شبلی نعمانی ایسا بے مثل آدمی دنیا سے اُٹھ گیا جس قدر افسوس کیا جائے بجا ہی۔ اس وقت ایک بند میرے خیال میں آیا* دوسرے پرت پر حوالہ قلم کرتا ہوں اور دو چار شعر مصرع طرح میں لکھے دیتا ہوں اگرچہ دماغ اس کا اہل نہیں رہا۔ لیکن آپ نے کبھی نہ کبھی مجھ سے اس کا ذکر چھیڑا۔ خالی معذرت سے یہی مناسب معلوم ہوا کہ فکر سرسری ہی پیش کردوں یہ صرف آپ کے لئے ہی جلسہ مشاعرہ کے لائق نہیں فقط۔

نیازمند واجد علی قدوائی آبر

رنگ لایا غم دل انجمن آرا ہوکر
رند اعجاز نما ہو گئے موسا ہوکر
حیرتِ رُخ سے ہی آئینہ دلِ زار کا حال
اپنی حالت کا تماشا ہی مجھے مدِنظر
سنگِ در سے ترے حرفِ خطِ قسمت مٹے

چشم خونبار ہوئی شرح تمنا ہوکر
جام مے ہاتھ میں آیا یدِ بیضا ہوکر
باتیں کرتی ہی خموشی مری گویا ہوکر
رُخ پہ کیسی یہ نقاب آئینہ سیما ہوکر
خود پشیماں میں ہوا ناصیہ فرسا ہوکر

* یہ بند باب مراثی میں مطبوع ہی

جناب کنور محمد حیات علیخاں صاحب آتش رئیس و مینونسپل کمشنر اترولی ضلع علی گڑھ

اپنے عاشق کو کیا قتل مسیحا ہو کر
سوچیے دل میں کیا آپ نے کیا کیا ہو کر

اُن کو دیکھا نہ گیا۔ آنکھ ملائی نہ گئی
کچھ بھی آیا نہ نظر محو تماشا ہو کر

دل پسیجا نہ تمہارا نہ تمھیں رحم آیا
مر گئے سیکڑوں مایوس تمنا ہو کر

ساتھ رندوں کے رہو حضرت واعظ کچھ دن
نام اچھلیگا بہت آپ کا رسوا ہو کر

بعد مرنیکے بھی تقدیر کا چکر نہ گیا
خاک اُڑتی ہی پھری آگ بگولا ہو کر

دل مرا آپ نے مُٹھی میں دبا رکھا ہے
رنگ لائے نہ کہیں خون تمنا ہو کر

اُڑتے ہیں ہوش خرد جوش میں ہے آتش تر
رنگ لائی ہے پری آگ بگولا ہو کر

جناب احسن مارہروی تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم

یہ نیا خبط ہوا ہے ہمیں سودا ہو کر
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں گھر بادیہ پیما ہو کر

کیا جیے کوئی کہ جینے کی حلاوت نہ رہی
زندگی تلخ ہے مایوس تمنا ہو کر

مر چکا تھا غم فرقت سے تو مایوس وصال
تیرے وعدے نے جلایا مگر ایفا ہو کر

منع ہم کرتے ہیں کیوں غیر سے ملنے کیلئے
سوچیا تم کبھی اس بات کو تنہا ہو کر

کس کی تقدیر کھلی کس کا مقدر چمکا
وا در یار ہے آغوش تمنا ہو کر

مر مٹے ہم اسی ارمان میں لیکن تم نے
کوئی اعجاز دکھایا نہ مسیحا ہو کر

کم نصیبی سے مری بات بھی پوری نہ ہوئی
رہ گیا بزم میں اُن کی مرا چرچا ہو کر

کھکے غیروں سے عبث تم ہمیں اٹھواتے ہو
آپ اٹھ جائیں گے ناکام تمنا ہوکر

تجھ سے ملنے ہی کی باقی نہیں امید تو پھر
کیا کریگا ترا بیمارِ غم اچھا ہوکر

شیوۂ ضبط نے آہوں کی اجازت بھی دی کہ
دل کا دل ہی میں رہا درد بھی پیدا ہوکر

پاسِ ناموس نہیں کچھ انہیں احسن کیطرح
ہو چکے عشق میں بدنام جو رسوا ہوکر

جناب قاضی عبدالاحد صاحب اختر ہاپوڑی

جب ٹھیرا مرے پہلو میں یہ میرا ہوکر
کب رہیگا دلِ بیتاب کسی کا ہوکر

جاؤ للہ نہ بالیں سے مسیحا ہوکر
ورنہ مرجائے گا بیمار یہ اچھا ہوکر

تم نہیں آتے تو ناوک ہی تمہارا آکر
خانۂ دل میں رہے میری تمنا ہوکر

مرگ ہی آکے اٹھائے تو اٹھائے مجھکو
در پہ بیٹھا ہوں ترے نقشِ کفِ پا ہوکر

سب تجھے دیکھتے ہیں اور تجھے ہوش نہیں
دیکھ تو کھل گیا کیا بندِ قبا وا ہوکر

پان نے سرخیِ لب اور زیادہ کردی
حسن چمکا ترا سونے میں سہاگا ہوکر

سچ تو یہ ہے کہ محبت میں خطا دل کی نہیں
دیدۂ تر نے ڈبویا مجھے دریا ہوکر

یاالٰہی نہ ہو خورشیدِ قیامت کا اثر
تیری رحمت رہے سر پر مرے سایا ہوکر

کیا ٹھکانا ہے ترا رشتۂ الفت او بت
جا پڑا شیخ کی تسبیح میں دھاگا ہوکر

کس دغا باز کو دل دیتے ہو اختر اپنا
کیسے نادان بنے جاتے ہو دانا ہوکر

جناب آغا حمید صاحب آغا دہلوی متعلم مدرسۃ العلوم علیگڑھ

جان ڈالی تنِ بسمل میں مسیحا ہوکر
کیا صبا آئی ہے تو وادیِ بطحا ہوکر

بستر پاک سے گرمی بھی نہ جانے پائی
لوٹ بھی آئے نبی عرشِ معلےٰ ہوکر

عاشقِ احمدِ مرسل ہوں مرا قطرۂ اشک
حشر میں چمکے گا قسمت کا ستارا ہوکر

خلد سے کام نہیں ہے مجھے یثرب کی قسم
طالبِ حور ہوں کیوں آپکا شیدا ہوکر

واہ رے چاند کی قسمت کہ بنا زینتِ چرخ
آستانے پہ ترے ناصیہ فرسا ہوکر

جامِ کوثر سے شہا سیر نہیں ہو سکتا
آپکے شربتِ دیدار کا پیاسا ہوکر

نظرِ لطف ہو آغا پہ بھی اے بحرِ کرم
جائے اس در سے کہاں بندہ تمہارا ہوکر

جناب آغا سنبھلی تلمیذ حضرت داغ دهلوی مرحوم

میری آنکھوں میں سما آنکھ کا پردا ہوکر
دلِ پرشوق میں آ شوق تماشا ہوکر

بیٹھ آکر مرے پہلو میں بھروسا ہوکر
میری آغوش میں آ میرا سہارا ہوکر

بزمِ دشمن سے نکل میری تمنا ہوکر

خامشی میری کہانی ہوئی گویا ہوکر
قابلِ دید ہوا میں تو تماشا ہوکر

چشمِ تر ہوگئی بدنام فنا ہوکر
آبرو خاک ہوئی عشق میں رسوا ہوکر

میرے اشکوں نے ڈبویا مجھے دریا ہوکر

میری واژونیِ تقدیر کی دنیا میں ہے دھوم
قبر تک ساتھ مرے جائے گا میرا مقسوم

میں تو جس در پہ گیا پھیر کے ہی آیا محروم
میری بگڑی ہوئی قسمت کا تو بنا معلوم

تو برا بنتا ہے کس واسطے اچھا ہوکر

جوششِ عشق کہاں اب تو یہ وحشت ہے مجھے
چارۂ درد کہاں اب تو یہ کلفت ہے مجھے

لذتِ عیش کہاں اب تو یہ ذلت ہے مجھے
حسرتِ وصل کہاں اب تو یہ غیرت ہے مجھے

غیر کے دل میں رہے میری تمنا ہوکر

تو چھپایا کرے سو بار مگر ظاہر ہی — آئی ہر اور گئی بھی ہی خبر ظاہر ہی
ترے کوچہ میں ہوا اُس کا گذر ظاہر ہی — قاصد غیر کا آنا ترے گھر ظاہر ہی
راز سربستہ کھلا نقش کفِ پا ہو کر

اب ضرورت مجھے اے عیسیِ مریم نہ رہی — اشک ریزی نہ رہی چشم بھی پُرنم نہ رہی
سینہ کاوی نہ رہی شورشِ ماتم نہ رہی — لذتِ زخم ملی حاجتِ مرہم نہ رہی
درد نے ساز کیا دل سے مداوا ہو کر

مجھکو ہی اس سے محبت نہ تمھیں الفت ہی — اس کو آرام یہاں ہی نہ وہاں راحت ہی
کوئی گاہک ہی نہیں اس کا وہ بدقسمت ہی — طعنہ زن میں ہوں ادھر تمکو ادھر نفرت ہی
پھر تباہ وہ دل مضطر رہے کس کا ہو کر

پھری بگڑی ہوئی قسمت تو سنور جائیگی — میری بے چین طبیعت تو ٹھہر جائیگی
زور گھٹ جائیگا آندھی تو اُتر جائیگی — مجھ پہ گذریگی قیامت تو گذر جائیگی
مشکل آسان تو ہو وعدۂ فردا ہو کر

مجھ پریشاں سے نہ پوچھو کوئی حالِ گیسو — دامِ صیاد ہی ادنےٰ سی مثالِ گیسو
ایک آفت ہی قیامت ہی وبالِ گیسو — سر ہوا ہی دلِ وحشی کے خیالِ گیسو
نہیں پھرتا کسی صورت سے یہ سودا ہو کر

لکھ چکا تھا یونہیں تقدیر میں قسامِ ازل — اس کی تفصیل کریں ہم تو ہی اک طولِ امل
خود سمجھ لیجئے تفسیر محبت مجمل — شمع حسنِ مہِ کنعاں کو بنا کر مشعل
رہبری عشق نے کی خواب زلیخا ہو کر

میں جو بگڑا تو بنایا مجھے کیسا کیسا — آرزو بن کے دیا مجھکو سہارا کیسا
داغ اب بن کے کھلایا ہی شگوفا کیسا — رنگ لایا گلِ امید خدایا کیسا
دل میں چبھتا ہی مرے خارِ تمنا ہو کر

ابن مریم یہ عنایت کریں مُردہ تن پر
تم باذنی نہ کہیں آکے مرے مدفن پر

مجھکو ڈر ہی کہیں دھبا نہ لگے دامن پر
حرف قاتل پہ مرے بار مری گردن پر

مجھکو جینا نہیں منت کش عیسا ہوکر

کہنے والا نہ رہا روکنے والا نہ رہا
ڈر کسی کا نہ رہا پاس کسی کا نہ رہا

اب خلش ہی نہ رہی اب کوئی جھگڑا نہ رہا
گل کھلا غیر سے مل کر کوئی کھٹکا نہ رہا

باغ نکلا ہی تری بزم سے کانٹا ہوکر

جناب بدر الحسن صاحب جلالی بدر مرادآبادی متعلم مدرستہ العلوم علی گڑھ
نائب معتمد اعزازی انجمن ہذا

جب رہا آپ کا اقرار نہ سچا ہوکر
کیوں رہے دل میں مرے آس سہارا ہوکر

آکے بیٹھے تو بگر درد جگر کا ہوکر
اور اٹھے تو قیامت کا نمونا ہوکر

لذت زخم کا پھر شوق اٹھا ہے قاتل
زخم سینے میں ہوا جاتا ہے اچھا ہوکر

شوق دیدار نے کیا حسرت دیدار کو
آنکھیں پتھرا ہی گئیں محو تماشا ہوکر

ترک ناموس تو ہی شیوہ عشاق مگر
شرم تو یہ ہی کہ رسوا ہوں تمہارا ہوکر

واہ اے شور جراحت کیا رسوا تو نے
جوہر خنجر قاتل کو تماشا ہوکر

بدر کس واسطے کرتے ہو تمنائے کمال
گھٹنے لگتا ہے مہ چرخ بھی پورا ہوکر

جناب سید محمد اعتبار حسین صاحب تر خلف الصدق حضرت مضطر خیرآبادی

جان نکلی ترے تیروں سے تمنا ہوکر
کٹ گئی عمر محبت میں کلیجا ہوکر

دونوں بیچین رہینگے ترے شیدا ہوکر
رہ مرے دل میں نہ دشمن کی تمنا ہوکر

نخلِ ارماں کو مرے اشکِ رواں نے سینچا
تجھ سے یہ بھی نہ ہوا حُسن کا دریا ہوکر

ہے یہی عشق ستم پر تو یہ روحِ مجنوں
دوسری جُون میں آ جائیگی لیلا ہوکر

آج وہ دن ہے کہ ہم مر کے چلے ہیں ہنستے
ایک وہ دن تھا کہ ہم روئے تھے پیدا ہوکر

جا چمکتے مری تقدیر کے اچھے گھر میں
تم نے اتنا نہ کیا چاند کا ٹکڑا ہوکر

اپنے ہاتھوں مجھے بازارِ وفا میں رکھ دو
اُٹھ گئے دام تو بک جاؤنگا سودا ہوکر

تیرے ارمان مری جان کے ہمراہ گئے
لاش نکلی ترے کوچہ سے تمنّا ہوکر

برسوں فرقت میں تری صورتِ دل تڑپا ہوں
مدتوں وصل میں دھڑکا ہوں کلیجا ہوکر

دل مرا یوسفِ ثانی تو نہیں ہے پر تو
یاد کیوں اُن کی لپٹتی ہے زلیخا ہوکر

جناب بیباک شاہجہانپوری تلمیذ حضرت داغ مرحوم

گشتۂ یاس ہوں کیا خونِ تمنّا ہوکر
دل میں آتا ہے خیال اس کا مسیحا ہوکر

سرگذشت اپنی محبت میں فقط اتنی ہے
خاک میں مل گئے ہم خاک سے پیدا ہوکر

اب محبت میں جو ہونا ہے وہ ہو جائیگا
خیر ناصح سے تو فرصت ہوئی رسوا ہوکر

ہمدمِ نزع بھی اُس شوخ سے یہ کہہ نہ سکے
آپ سے دور رہے آپ پہ شیدا ہوکر

قطرۂ مے جو کبھی حلق سے اُترا شبِ غم
قلب میں تیر گیا ریزۂ مینا ہوکر

پرتوِ زلف نگاہوں میں مری چھائی ہے
کیوں ستاتے ہو شبِ ہجر یکِ شبِ یلدا ہوکر

مرضِ عشق پھر اس پر یہ بلاؤں کا نزول
جو بھی آتا ہے وہ آتا ہے مسیحا ہوکر

دلِ حسرت زدہ جلنے خس و خاشاک نہیں
جب نہیں اشکِ محبت میں تو دریا ہوکر

ساتھ دے عشق میں اتنا تو مرا ای تقدیر
نیند ہی آئے کبھی خوابِ زلیخا ہوکر

ایک ہی حال گریباں سے ہے تا چاکِ جگر
وحشت وحشت سے رہے دیکھئے کیا کیا ہو کر

درد ہی کیا جو نہ بجلی کی تڑپ رکھتا ہو
داغ ہی کیا جو نہ چمکے یدِ بیضا ہو کر ۱

وحشتِ دل کہیں حد سے متجاوز ہو جائے
کوچۂ یار کو جاتا ہوں تو صحرا ہو کر

چشمِ مشتاق نے جس دن سے اُسے دیکھا ہے
ہر نگہ سامنے آتی ہے تماشا ہو کر ۱

وہ جو آئے ہیں تو ہر آبلۂ دل اپنا
محوِ نظارہ ہے اک دیدۂ بینا ہو کر

خوب برباد ہوئے کوچۂ دلدار میں ہم
خوب پامال ہوئے نقشِ کفِ پا ہو کر

اب کہاں تیر نگہ میں وہ کجی اے بیباک
رہ گیا ہے کششِ شوق سے سیدھا ہو کر

جناب محمد حاذق صاحب حاذق سہارنپوری متعلم مدرسۃ العلوم علیگڈھ
معتمد اعزازی انجمن ہذا

حسن رہتا ہے تو خود بین و خود آرا ہو کر
محوِ آئینہ ہیں وہ آئینہ سیما ہو کر ۱

جب کہا تو نہیں رہتا ہے کسی کا ہو کر
بولے دیکھئے تو سہی کوئی ہمارا ہو کر

قطرہ چاہے تو بہا دے مجھے دریا ہو کر
ذرہ چاہے تو تھکا دے مجھے صحرا ہو کر

یہ تو کہئے کہ ہے کیا عرضِ تمنا بھی گناہ
اُٹھ گئے آپ جو یوں آگ بگولا ہو کر ۱

ہو رہے ہیں وہ عدو کے مری ضد سے ورنہ
کون یوں رہتا ہے دنیا میں کسی کا ہو کر

قیس سرگروہِ عشاق تھا لیکن وہ بھی
آشنا غم سے رہا عاشقِ لیلےٰ ہو کر

آپ اگر آئے نہ تھے موت تو آتی لیکن
ہجر میں وہ بھی رہی آپ کا وعدا ہو کر

مر کے بھی گردشِ دوراں سے نہ راحت پائی
خاک بھی اپنی جو اُٹھی تو بگولا ہو کر

گل تو سب کچھ تھے مگر آج تو ہم کچھ بھی نہیں
شانِ معبود ہے کیا ہو گئے ہم کیا ہو کر

لاگ کی آگ یہ ہے دیکھ لو پروانے کو
بیدھڑک کود پڑا آگ میں اندھا ہو کر

اُس شعلہ کو کوئی نہ کوئی یہ اُٹھاتا ہی رہا
دل بیتاب نہ بیٹھا کبھی نچلا ہو کر

کیا تڑپتے ترے بسمل کہ انھیں تھا یہ ڈر
رہ نہ جائے کہیں دنیا تہ و بالا ہو کر

ہجر میں جان بھی کمبخت نہ تن سے نکلی
رہ گئی یہ بھی مرے دل کی تمنا ہو کر

دل میں کیوں یادِ بتاں آتی ہے اکبر حاذق
کیا یہ بت خانہ بنے گا کہیں کعبہ ہو کر

جناب عبدالحمید صاحب حمید میرٹھی اولڈ بوائے مدرسۃ العلوم علیگڑھ

آئینہ دیکھتے ہیں آئینہ سیما ہو کر
خود تماشا وہ بنے محوِ تماشا ہو کر

دل میں گھر کرتے ہیں ارمان و تمنا ہو کر
یہ حسین رنگ جما لیتے ہیں کیا کیا ہو کر

ہم نے پہلو میں رکھا پھر بھی ہمارا نہ ہوا
کیا رہیگا دلِ بے تاب تمھارا ہو کر

غیر بدنام ہے - بدنام کرے فکر نہیں
ہم تو رسوا نہ کرینگے انھیں رسوا ہو کر

کیا تماشا ہے کہ اُنکے کفِ نازک میں حنا
چمک اُٹھتی ہے چراغِ یدِ بیضا ہو کر

کون دنیا میں ہمیں غیرتِ مجنوں کہتا
تم نے باندھی ہے ہوا غیرتِ لیلیٰ ہو کر

جیتے جی دل سے مٹانا اسے آسان نہیں
داغِ غم بیٹھ گیا خالِ سویدا ہو کر

چشمِ دل کیلئے ہر ذرہ ہے اک برقِ جمال
شوق پیدا تو کرے دیدۂ موسیٰ ہو کر

اشکِ خوں، ضبطِ محبت میں نکلتا ہی نہیں
ورنہ قطرہ بھی ڈبو دے مجھے دریا ہو کر

شب کو وہ آئے تصور میں مگر صبح نہ تھے
رہے آنکھوں میں مگر خوابِ زلیخا ہو کر

تنگیٔ دل سے کوئی عمدہ برآ ہو نہ سکا
رہ گیا غم بھی مرا میری تمنا ہو کر

چارہ گر کچھ خلشِ غم سے تو تسکین بھی ہے
زخم جینے بھی نہ دیگا مجھے اچھا ہو کر

جب نہ تھے ہم تو نہ تھی گردشِ تقدیر حمید
خود گرفتارِ بلا ہو گئے پیدا ہو کر

جناب خیال گلاوٹھوی تلمیذ حضرت تسلیم لکھنوی مرحوم

کیا کرے کوئی بسر وقت تمنا ہوکر
تُو تو رہتا نہیں دو دن بھی کسی کا ہوکر

آپ بیزار اجل کو مری صورت سے گریز
منصفی شرط ہے پھر میں رہوں کس کا ہوکر

حسرتِ دید میں تڑپا نہ زیادہ مجھ کو
آ ادھر دیکھنے والے کی تمنا ہوکر

وحشتِ دل کی بدولت میں بسر کرتا ہوں
اس تماشا گہِ عالم میں تماشا ہوکر

شوقِ پابوس میں دن رات پڑے رہتے ہیں
کوچۂ یار میں ہر نقشِ کفِ پا ہوکر

کبھی بیمارِ محبت کا مداوا نہ کیا
دشمنِ جاں ہی رہے آپ مسیحا ہوکر

کیا خبر؟ آنکھوں ہی آنکھوں میں ہوئیں کیا باتیں
رہ گیا غیر سے کچھ اُن کا اشارا ہوکر

جوشِ وحشت میں گریباں سے یہ دم بھر نہ ہٹا
رہ گیا دستِ جنوں ہار گلے کا ہوکر

لطف اُس وقت کا دل سے مرے کوئی پوچھے
صلح جب ہوتی ہے اس شوخ سے جھگڑا ہوکر

دلِ ناکام کے گاہک تو ہزاروں ہیں خیال
میری تقدیر سے رہ جاتا ہے سودا ہوکر

جناب دلگیر مارہروی تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم

مٹ گئے سارے مزے دل کا مداوا ہوکر
ہائے کیا داغ دیا زخم نے اچھا ہوکر

اشک وہ ہی جو گرے آنکھ سے دریا ہوکر
خون وہ ہی جو بہے خونِ تمنا ہوکر

اشکِ خوں روئے ہیں ہم بیٹھکے تنہائی میں
رنگ لائے نہ کہیں رازِ یہ افشا ہوکر

خار تلووں میں چبھے قلب و جگر میں چبھے
ہم تو کچھ خوش نہوئے بادیہ پیما ہوکر

تجھ سے کیا خاک ہو امید جب اے دشتِ جنوں
ذرہ ذرہ یہ نظر ہے تجھے صحرا ہوکر

قیس و فرہاد کی دنیا میں حقیقت کیا تھی
آبرو پائی یہ سب عشق میں رسوا ہوکر

آرزو بن کے مری روح کو تڑپاتی ہے
روز اک تازہ خلش قلب میں پیدا ہو کر

اب سمجھ لو کہ محبت کا مرض کیسا ہے
وہ مری موت کے خواہاں ہیں مسیحا ہو کر

مخالف نہ اگر کوچۂ جاناں کی ہوا
رہ پڑیں ہم بھی وہیں نقشِ کفِ پا ہو کر

اشک آنکھوں میں رہیں شوق سے گھر آنکھ کا
اس کا رونا ہے کہ بہجاتے ہیں دریا ہو کر

ابرِ رحمت نے دیئے آج کچھ ایسے چھینٹے
میرے ساقی نے پلائی مجھے دریا ہو کر

دمِ گریہ یہ سُنی دل کی کسی نے فریاد
قطرہ قطرہ نے بہایا اُسے دریا ہو کر

مرضِ جہل سے ہم مری جھکے تھے لیکن
پھر جلایا ہمیں سیدؔ نے مسیحا ہو کر

جُرم کے بعد ہی کر لیتے ہیں توبہ بھی دلیر
فکرِ عقبیٰ کی بھی ہے طالبِ دنیا ہو کر

جناب ابو البیان محمد رضا صاحب رضاؔ صدیقی الہ آبادی اولڈ بوائے مدرسۃ العلوم علیگڑھ

نام بدنام ہوا عاشقِ شیدا ہو کر
اک زمانہ کا بُرا ہوں میں تمہارا ہو کر

یوں تسلّی ہو مری بادہ پیما ہو کر
خار تلوؤں میں رہیں آبلۂ پا ہو کر

کیوں ملے خاک میں آنسو مرا رسوا ہو کر
اُن کے دامن پہ رہے خونِ تمنا ہو کر

میری حیرت کو نہ اس طرح سے دیکھو دیکھو
خود تماشا نہ بنو محوِ تماشا ہو کر

دامن و جیب و گریباں کا لگا ہے بازار
آپ گذریں تو سہی جانبِ صحرا ہو کر

پیارے پیرِ خرابات نے دیکھا جس دم
جھک گیا شیخ کا سر گردنِ مینا ہو کر

نہ کبھی وسعتِ صحرا کی ذرا تنگ دلی
کیا ملا جوشِ جنوں حوصلہ فرسا ہو کر

نام کر جائیگی طغیانیِ اشکِ عاشق
کام دکھلائیگا یہی قطرہ کبھی دریا ہو کر

نہ چھٹا دل سے کبھی رابطۂ محبت نہ چھپا / نہ گیا سر سے کبھی عشق کا سودا ہو کر

نظر آنے لگے دامن پہ بکھر کے ٹکڑے / جب گرے اشک مرے خونِ تمنا ہو کر

کیوں نہ دیوانگیِ عشق کا ممنون رہوں / ہوں میں دنیا سے الگ زینتِ دنیا ہو کر

بجھ گئی دل کی لگی آج دمِ عرضِ وصال / وہ لپٹ ہی تو گئے آگ بگولا ہو کر

دیدۂ شوق نے کس ڈھب سے لڑائی ہے نگاہ / رہ گیا کیوں درِ مسجد کی طرح وا ہو کر

ایک مدت سے تھی رضا حسرتِ وصلِ دلدار
رہ گئی غیر کی آغوش تمنا ہو کر

جناب سید محمد کاظم صاحب رنج جونپوری متعلم مدرسۃ العلوم علی گڑھ

گر پڑے راہِ طلب ناقۂ لیلیٰ ہو کر / قیس کی خاک اب اٹھی ہے بگولا ہو کر

نہ کھلا میرے نہ کھلا عقدۂ قسمت کی طرح / رازِ الفت بھی رہا ایک معما ہو کر

شمع کہتی ہے یہ پروانے سے ہنس کر سرِ بزم / تجھکو جلنا ہو تو آ جا مرا شیدا ہو کر

نہ تڑپ اے دلِ بیتاب نہ اتنا تڑپ / رہ نہ جائے کہیں عالم تہ و بالا ہو کر

موت کا رنج نہیں قاتل مجھے افسوس یہ ہے / جان نکلیگی مری حسرتِ اعدا ہو کر

چشمِ بیمار کا ہمسر ہو مریضِ غمِ عشق / نہ رہے گا یہ کسی کام کا اچھا ہو کر

آتے ہیں محفلِ محبوب میں وہ غم یہ ہے / کہ نہ نکلیں گے مگر اپنی تمنا ہو کر

جب کہا بندہ تمہارا ہوں تو ہنس کر بولے / واہ کیوں رہنے لگا رنج ہمارا ہو کر

جناب ریاض* خیرآبادی تلمیذ حضرت امیر مینائی لکھنوی مرحوم

(نقل گرامی نامہ)

مکرمی جناب معتمد صاحب تسلیم

کل کے عریضہ میں میں حاضری اور شرکت کیلئے عذر خواہ ہوا تھا آج اس غزل کے چند شعر بھیجتا ہوں

* نہایت قلق اور افسوس کیساتھ تحریر کیا جاتا ہے کہ جناب کے برادر حقیقی سید نظام احمد صاحب کا یکایک [illegible] میں انتقال ہو گیا۔ [illegible] جناب [illegible]

کہ آپ سب حضرات مجھ سے کچھ آزردہ نہ ہو جائیں۔ اگر کوئی شعر آپ کو پسند آجائے تو اہلِ جلسہ کو سُنا دیں

مردہ۔ ریاضؔ

خیرآبادی ۱۱ر فروری سنہ ۱۹۱۵ء

اے جنون کچھ نہ کیا حشر نے برپا ہو کر
رہ گیا وہ شکنِ دامنِ صحرا ہو کر

مدعا ہے نہ کبھی دل کی تمنا نکلے
دل میں وہ آئے بھی تو دل کی تمنا ہو کر

بیٹھنا تھا کسی کوچہ میں انھیں توڑ کے پاؤں
خضر تو کھوئے گئے بادیہ پیما ہو کر

رو کے پینے سے تجھے شیخ تری ریشِ سپید
سرِ مینا پہ رہے پنبۂ مینا ہو کر

پاؤں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں ریاضؔ
کعبہ جائیں گے مگر آپ کلیسا ہو کر

جناب سیّد ممتاز احمد صاحب سہاؔ بلندشہری اولڈ بوائے مدرسۃ العلوم علیگڑھ

وہ بڑھی شان مری وحشیِ بطحا ہو کر
نجد کا دشت نظر آتا ہے ذرّا ہو کر

ایک رماں ہے کہ جو دل میں کھٹکتا ہے کبھی
اور کبھی سر کے لئے بار ہے سودا ہو کر

قدرِ الفت نہ رہی رسمِ مدارات اٹھی
کون رہتا ہے زمانہ میں کسی کا ہو کر

لذت اندوزِ الم کو کوئی دیکھے تو سہی
کس طرح جیتا ہے مایوسِ تمنا ہو کر

حُسن تحسین طلب اُس پہ ستم بے مہری
آپ کو زیب یہ دیتا نہیں زیبا ہو کر

بزم آرائیِ خوباں زمانہ معلوم
اک زمانہ کو مٹاتے ہیں خود آرا ہو کر

تیری اُمید سے وابستہ ہے دنیائے نشاط
کیوں سُبک سر ہوں میں وقفِ تمنا ہو کر

درد انگیز کہانی ہے گذشتہ راحت
زندگی گذری ہے کیا خواب زلیخا ہو کر

دیکھنے پر بھی سہا دیکھنے پاتے ہی نہیں
جلوہ جانسوز ہے۔ گر جاتے ہیں موسا ہو کر

جناب آغا شاعر قزلباش دہلوی تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم

ہمہ تن چشم مرثک غم فردا ہو کر
آئینہ بن گیا اس دشت کا دریا ہو کر

عارضی تازگیوں پر گل شاداب نہ پھول
کہ گرے گا تو یہیں پھول سے کانٹا ہو کر

وقت کے میت ہیں سب وقت گیا بات گئی
عمر بھر کون رہا کوئی کسی کا ہو کر

زرپرستوں کی نگاہوں میں جو عزت نہ ملی
خاک پر بیٹھ گیا نقش کف پا ہو کر

فیض شبنم سے ہے ہر خاک نشیں کو عزت
موتیوں سے ہے بھرا دامن صحرا ہو کر

موج کے ہاتھ میں ہے میری حیات اور تمام
سانس لیتا ہوں حباب لب دریا ہو کر

ضعف سے طاقت رفتار کسے ہے شاعر
"ذرہ چاہے تو تھکا دے مجھے صحرا ہو کر"

جناب بابو پربھو دیال صاحب شام اکبر آبادی

دل سے نکلا جو دھواں زلف چلیپا ہو کر
عشق چمکا مرا حسن رخ زیبا ہو کر

ہم کبھی روئے جو مایوس تمنا ہو کر
ایک اک بوند گری آنکھ سے دریا ہو کر

میں ہوں موجود تو کیوں غیر پہ ہو جور و جفا
جو کرو مجھ پہ کرو تم ستم آرا ہو کر

نوک کی انسے نہ لیں دشت جنوں کے کانٹے
منہ نہ پھیرینگے مرے آبلۂ پا ہو کر

بعد مرنیکے بھی وحشت کا اثر ہے باقی
پھرتی رہتی ہے مری روح بگولا ہو کر

باغ عالم میں میری، سرو کی ہے ایک مثال
کبھی پھولا نہ پھلا نخل تمنا ہو کر

اس گلِ حسن نے پھر آ کے بسایا دل کو
پھر ہوا آج سے آباد یہ صحرا ہو کر

ہو گیا سارا جہاں میری نظر میں تاریک
مُنھ چھپایا ترا جب زلف نے پردا ہو کر

بختِ بیدار نے اوغیرتِ یوسف تجھکو
خواب میں دیکھ لیا چشمِ زلیخا ہو کر

لاکھ چاہا کہ چھُٹا میں نہ چھُٹا پر نہ چھُٹا
رہ گیا رنگِ حنا محوِ کفِ پا ہو کر

لطف یکتائی کا یہ ہے کہ پسِ مردن بھی
نقشۂ قیس کھنچا صورتِ لیلیٰ ہو کر

جان و دل ہوش و خرد سب سے کنارہ کر لی
آپ کو جو کوئی چاہے تو اکیلا ہو کر

مضطرب ہو کے نہ کر آہ خدارا اے شاد
ورنہ رہ جائے گا عالم تہ و بالا ہو کر

جناب حکیم شاہ ابو المحاسن صاحب شفیق حیدر آبادی اڈیٹر رسالہ ؟ ہاپوڑ ضلع میرٹھ

کم نہ ہو جوشِ جنوں حوصلہ فرسا ہو کر
ہو فزوں زلفِ نبی کا مجھے سودا ہو کر

خوش ہو گیا عالمِ ایجاد میں پیدا ہو کر
رہے انسان جو محوِ غمِ دنیا ہو کر

نہ لیا آپ نے جو ساتھ ازل میں سایہ
رہ گیا خُلد میں وہ سایۂ طوبا ہو کر

تیرا ہی جلوہ نظر آئے جدھر آنکھ اُٹھے
تجھکو ہی دیکھے جو دیکھے کوئی بینا ہو کر

لن ترانی کی بھی آئے نہ صدا اے موسیٰ
ارنی گو ہو جو عاشق کوئی اُن کا ہو کر

کشتۂ عشقِ محمد کو کہاں بحث کی تاب
بڑھ گئی بات نکیرین سے جھگڑا ہو کر

اُنگلیاں حشر میں اُٹھنے لگیں میری جانب
نامورِ عشقِ نبی میں ہوا رسوا ہو کر

سوئے یثرب جسے جاتا ہوا میں دیکھتا ہوں
دل میں رہ جاتا ہے بس خونِ تمنا ہو کر

تکرو اس کی طرف تم جو نظر بخشش کی
کس طرف جائے گنہ گار تمہارا ہو کر

سلطنت ہے شہِ لولاک غلامی تیری
شاہ ہو جاتا ہے انساں ترا بندا ہو کر

شبِ معراج ہوا وصل کا اس درجہ عروج
قابَ قوسین جہاں رہ گیا ادنےٰ ہو کر

عشقِ احمد میں شفیق اشک بہے جاتے ہیں
چشمِ مشتاق مری رہ گئی دریا ہو کر

جناب صفی لکھنوی

قطع کی راہِ جنوں خوگرِ ایذا ہو کر
ساتھ اس دل نے دیا آبلہ پا ہو کر

زندگی تلخ رہی ذوقِ نظر بازی میں
بارہا زہر چڑھا نشۂ صہبا ہو کر

کیجیے کس سے اس انداز تغافل کا گلہ
جان لی تم نے مریضوں کی مسیحا ہو کر

گریۂ وقتِ ولادت یہ خبر دیتا ہے
روح قالب میں سمائی غمِ دنیا ہو کر

چشمِ تر! اشکِ مسلسل کی روانی دیکھی؟
پاؤں پھیلائے ہیں ہر قطرہ نے دریا ہو کر

الحذر کا نشاں بھی نہ رہیگا باقی
جھک پڑا لشکرِ مژگاں جو صف آرا ہو کر

کہئے پھر منزلِ ہستی و عدم میں کیا فرق
کام کچھ بھی نہ کیا ہم نے جو پیدا ہو کر

اُف رے آغازِ محبّت میں مآل اندیشی
اہلِ دل باغ بھی جاتے ہیں تو صحرا ہو کر

اُسی انداز سے اک جام اِدھر بھی ساقی
کفِ موسیٰ پہ جو چمکا یدِ بیضا ہو کر

جرأتِ حوصلۂ دید سے باز آؤ کلیم
اک تماشا نہ بنو محوِ تماشا ہو کر

جب صفی کعبۂ دل کی مری بنیاد پڑی
جوشِ ذرّوں نے دکھایا تہ و بالا ہو کر

جناب محمد طیب صاحب طیبؔ بدایونی اولڈ بوائے مدرسۃ العلوم علی گڑھ

نہ رہے گا نہ رہا ہے کبھی ایسا ہو کر
موت کا عہد بھی اور آپ کا وعدہ ہو کر

کیجئے کیا کہ ہوا بر سرِ پرخاش وہ شوخ
ہم نہ سمجھے تھے کہ دم دیگا مسیحا ہو کر

حسنِ خالق ہی کا جلوہ ہی بتوں میں زاہد
دید کی شوخیوں دیدۂ بینا ہو کر؟

آپ سمجھے کہ عدو تجھ سے ہی اچھا۔ ہاں ہاں
جی بجا ہے۔ نہ کہو گے کہ تمہارا ہو کر

نہ بہی کشتیِ امید بھی اے چشمِ پرآب
طلبِ موج بھی تجھ میں نہیں دریا ہو کر

نزدباں عشق ہی پھر سوچ میں ہی کیا طبیب
یہ فلک تک تجھے پہنچائے گا زینا ہو کر

جناب سید علی عباس صاحب عباس سہارنپوری متعلم مدرسۃ العلوم علی گڑھ

پوششِ عرصۂ خاکسترِ لیلےٰ ہو کر
دامنِ قیس رہا دامنِ صحرا ہو کر

کشتیِ چشم میں مردم کا خدا حافظ ہے
آہ طوفاں ہے رواں اشک میں دریا ہو

مت کہو دسترسِ دہر سے باہر ہی ستم
یہ کہو چین سے ہی آپ کا شیوا ہو کر

جی میں تھا پوچھیے یارانِ گزشتہ کا نشاں
ہو گئے بند لبِ گور مگر وا

حشر میں تلخ نوائی مری خالی نہ گئی
آگیا پھر قریں ساغرِ صہبا ہو کر

بسکہ وحشت سے خوش آتی نہیں صحبتِ خلق
قیس صحرا میں پریشاں ہی بگولا ہو کر

نور افزا رخِ یار رہا زیرِ نقاب
صفتِ مردمِ دیدہ پسِ پردہ ہو کر

موردِ رنج مسرت ہی جہاں میں عباس
گل پریشان ہیں گلشن میں شگفتہ ہو کر

جناب عبد العزیز خاں صاحب عزیز علی گڈھی

نظر آتا ہی ہر اک چیز میں یکتا ہو کر
سب سے بیگانہ ہے وہ شوخ یگانہ ہو کر

تو ہی تشریح طلب لفظ میں معنی ہو کر
کھل گیا راز ترا شکلِ معما ہو کر

ڈال کر ردئے منور پہ نقاب کثرت
دیکھتا اپنا تماشا ہی تماشا ہوکر

جنسِ بدنامیِ بازارِ محبت ہوں میں
گر خریدے کوئی مجھکو تو وہ رسوا ہوکر

چارہ گر فرطِ محبت سے نمکداں تیرا
دیکھتا ہی مرے ہر زخم کو دیدہ ہوکر

بسترِ ہستیِ موہوم پہ سوتا ہوں میں
نظر آتا ہی جہاں عالمِ رویا ہوکر

داغ ہائے دلِ مجروح کا میرے ہی عکس
نظر آتا ہی فلک پر جو ثریا ہوکر

سیکڑوں بت ہیں مرے دل میں تمنا ؤنکے
بن گیا ہائے کلیسا مرا کعبہ ہوکر

پی لیا جام بقا دستِ فنا سے جو عزیز
موت بھی آئی مرے پاس تو صہبا ہوکر

جناب فضل الرحمن صاحب قدوائی فخی متوطن ضلع بارہ بنکی

متعلم مدرسۃ العلوم علیگڈھ

درد جاں باز محبت کا مداوا ہوکر
دستِ قاتل میں رہے تیغ مسیحا ہوکر

محتسب جس سے تجھے ضد ہو وہی بنتِ عنب
بارہا ہم میں رہی ہی طرب افزا ہوکر

کہہ سنایا غم دل اُن کو بصد خاموشی
دیدۂ اشک فشاں نے لب گویا ہوکر

مان لیں تیری رسائی کو گرائے بادِ صبا
عقدۂ طرۂ پُر پیچ رہے وا ہوکر

رازِ الفت دمِ نظارہ رہا بے تحقی
حسرت آلود نگاہوں سے ہویدا ہوکر

جناب حکیم سید یاد علی صاحب قضا تلمیذ حضرت مضطر خیر آبادی

مفت بدنام ہوئے غیر پہ شیدا ہوکر
مشورہ مجھ سے تو لیتے کبھی یکجا ہوکر

وہ چلے گورِ غریباں سے تو اُٹھی یہ صدا
بے جلائے ہوئے جاتے ہو مسیحا ہوکر

دم آخر مرے بالیں سے اُٹھے جاتے ہو
موت کا جام پلاتے ہو مسیحا ہوکر

اُس طرف دامنِ یوسف کا نگہبان ہا
اس طرف پھیل گیا دستِ زلیخا ہوکر

ہاتھ رکھکر مری میت پہ ستمگر نے کہا
رہ گیا کیا دلِ بیتاب بھی ٹھنڈا ہوکر

پردے والوں میں بھلا نام نکالا اپنا
آپنے پردۂ ناموس میں رسوا ہوکر

بتکدہ سے بھی تو اک راہ گئی ہے زاہد
میں چلا جاؤں گا کعبہ کو کلیسا ہوکر

کس مصیبت سے شبِ تارِ جدائی کاٹی
اب تو آجاؤ نظر نور کا تڑکا ہوکر

اے فضا گردشِ قسمت سے خزاں آپہونچی
رہ گیا گلشنِ اُمید بھی صحرا ہوکر

جناب قاسم علی خاں صاحب شروانی قاسم سکندرراؤ ضلع علیگڈھ

پردۂ حسن میں چمکا جو وہ شعلہ ہوکر
کونسا دل ہے جو تڑپا نہیں شیدا ہوکر

قیس کو فرطِ تصور سے ملا یہ رتبہ
مردمِ چشم نظر آتی ہے لیلیٰ ہوکر

ذوقِ گریہ دلِ بیتاب سے کہتا ہے مچل
میں بھی نکلونگا لبِ زخم سے نالا ہوکر

خرمنِ شوق پہ حسرت نے گرائی بجلی
آرزو دل نہ جلا برقِ تمنا ہوکر

کیا مرادِ دلِ بسمل کا بھی ارمان نکلا
وہ چلے آئے جو مصروفِ تماشا ہوکر

تنکری قاسمِ عاجز کو ملا یہ رتبا
فخرِ عالم ہوا حسنین کا بردا ہوکر

جناب سید کفیل احمد صاحب کفیل گلاوٹھوی متعلم میرٹھ کالج

جلوۂ یار نہ رسوا ہو تماشا ہوکر
وہ مرے دل میں رہے میری تمنا ہوکر

اُس کو اُمیدِ عیادت نے جلا رکھا ہے
تیرا بیمار تو مر جائے گا اچھا ہوکر

اتنی ہستی پہ یہ موجیں تری اے عمر رواں
اتنا دم تجھ میں حباب لب دریا ہو کر

حسرت دل نہ نکل دیکھ خدارا نہ نکل
یاس گھبرائیگی دل میں مرے تنہا ہو کر

اُٹھ کے بیدرد نے دنیا سے اُٹھایا آخر
ہم کو ناپید کیا درد نے پیدا ہو کر

کھل گیا غیر سے بھید انکا چھپائے نہ چھپا
مجھکو رسوا کیا کم بخت نے رسوا ہو کر

کئے روشن تو اسی نے مرے داغوں کے چراغ
شام فرقت مرے گھر آئی اُجالا ہو کر

آپ سینہ پہ مرے دست تسلی نہ رکھیں
نہ رہے دل مرا دشمن کا کلیجہ ہو کر

گردش چشم کو قابو سے نہ جانے دیجئے
رہ نہ جائے کہیں عالم تہ و بالا ہو کر

شہرت عشق نے نام اور اُچھالا ہی کفیل
نیک نامی ہوئی حاصل ہمیں رسوا ہو کر

جناب محمد اسمٰعیل صاحب مدمن متوطن ضلع بارہ بنکی متعلم مدرستہ العلوم علیگڑھ

سُرمہ خاک تمنا ناصیہ فرسا ہو کر
چشم خوباں میں رہے آنکھ کا تارا ہو کر

اشک حسرت ہی سہی خار بیاباں ہی سہی
قیس کو کچھ تو ملا بادیہ پیما ہو کر

یہ بھی قسمت کی خرابی ہے یہ روشن کب تک
طالع بد جو چمکتا ہے ستارا ہو کر

بعد مرنے کے غضب کی ہوئی پرواز نصیب
روح طوبیٰ پہ گئی طائر طوبےٰ ہو کر

تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں
اب میں گھوموں گا حریف سر سودا ہو کر

مصحف یار کا آ آ کے تماشا دیکھیں
دل صد چاک دکھاتا ہے سیپارا ہو کر

زاہدا مجھکو نصیحت نہیں بھاتی تیری
سجدہ کعبہ کو کروں عارف یکتا ہو کر

عرض پر فوق ہے جوہر کو صداقت معلوم
نے سے آواز نکلتی ہے دو بالا ہو کر

مُدمن اتنا بھی تو کیا ہوش میں آؤ اپنے
درد فرقت کوئی سر لیتا ہے دانا ہو کر

جناب محمد رفیع صاحب مستتر لکھنوی متعلم مدرسۃ العلوم علی گڑھ

یوں تو ہر شے میں ہے آپ سویدا ہو کر
دل میں دیکھا تو نظر آئے معمّا ہو کر

باعث نازش ارباب چمن ہے پر تو
رنگ چمکا ہے ترا لالہ وحمرا ہو کر

چشم باطن کہ جسے دیدۂ بینا کہیے
شمع بردار ہوئی دل میں سویدا ہو کر

مجھکو مجنوں تو بنایا مگر اے ذرہ نواز
رخِ زیبا نہ دکھایا کبھی لیلےٰ ہو کر

زلف کہتی ہے کسی شوخ کے رخسار سے
ڈھانک دینگی ہیں تمھیں پوشش کعبہ ہو کر

مستتر کیا ہوا ناصح نے ملامت گر کی
اپنی رندی تو بڑھیگی یونہیں رسوا ہو کر

جناب سید نذیر احمد صاحب نذیر علی گڑھی

اشک آنکھوں سے بہا کرتے ہیں دریا ہو کر
روز طوفان اُٹھا کرتے ہیں دریا ہو کر

سچ جو پوچھو تو وہاں کچھ بھی نہ تھا کیا حسنات
کٹ گیا حشر کا دن ایک تماشا ہو کر

ہمتو اس شرم و حیا پر ہیں تمہارے قربان
دل میں چُھپ کر مرے بیٹھے ہو تمنا ہو کر

صدمۂ ہجر سے جیتا ہے کہ مرتا ہے کوئی
تم خبر تک نہیں لیتے ہو مسیحا ہو کر

غیر کے سامنے کیا کیا نہ کہا اُسنے نذیر
میں ہی ایسا تھا چلا آیا جو چُپکا ہو کر

جناب اکرام اللہ خاں صاحب نطق ٹپیالوی متعلم مدرستہ العلوم علیگڑھ

دہنِ زخم یہ بولا لب گویا ہو کر
شکر قاتل کر رہا عقدۂ دل وا ہو کر

پی چکے شیخ جی۔ اب آیئے مسجد کو چلیں
ذکرِ حق چاہیے شغلِ مے و مینا ہو کر

اُنکی مٹھی میں نہاں ہی دلِ سوزاں میرا
کھول دیں ہاتھ تو چمکے یدِ بیضا ہوکر

کیا بہم لازم و ملزم ہیں خود بینی و حُسن
محوِ آئینہ ہو کیوں آئینہ سیما ہوکر

نطق کو کام ہی کیا بزمِ سخن سے لیکن
آپ بھی آ ہی گئے قافیہ پیما ہوکر

جناب شاہ ولی عالم صاحب ولی بی اے اعظم گڈھی متعلم مدرسۃ العلوم علی گڈھ

آج نکلیں گے وہ پھر برقِ تجلے ہوکر
دیکھنے والو چلو طور پہ موسے ہوکر

وہ لہو دل میں جو رہتا تھا سویدا ہوکر
میری آنکھوں سے بہا خون کا دریا ہوکر

طولِ راہِ طلبِ یار عیاذاً باللہ!
ذرہ چاہے تو تھکادے مجھے صحرا ہوکر

بحرِ الفت کا کنارہ دلِ ناداں مت ڈھونڈ
قطرہ چاہے تو بہادے مجھے دریا ہوکر

جادۂ منزلِ الفت رہِ ظلمات نہیں
خضر گم گشتہ ہوئے رہبرِ دانا ہوکر

داغ کھایا ہی جو عشقِ رُخِ جاناں کا ولی
جلوہ گر سینہ میں دل ہی یدِ بیضا ہوکر

جناب مولنا سید شرف الدین صاحب یاس ٹونکی یادگار حضرت ظہیر دہلوی مرحوم

دل میں جس طرح سے آئے ہو تمنا ہوکر
یوں ہی آنکھوں میں بھی آجاؤ تماشا ہوکر

ہوگیا خاک دلِ سوختہ اچھا ہوکر
کیا بُرا حال کیا درد نے اچھا ہوکر

تجھ پہ جو مرمٹے وہ زندۂ جاوید ہوئے
ورنہ سب خاک ہوئے خاک سے پیدا ہوکر

چھپکے پردہ میں کیا رازِ محبت افشا
عشق کا ساتھ دیا حُسن نے رسوا ہوکر

ذرہ ذرہ ہی ترے حُسن سے اک مہرِ مُنیر
تونے عالم کو سنوارا ہی خود آرا ہوکر

چارہ گر جس کا ہو تو ہی وہی اچھا ورنہ
تیرا بیمار تو مرجائے گا اچھا ہوکر

زورِ درباں نہ چلا چرخ کی پیری نہ چلی
ناتواں بیٹھے ترے در پہ توانا ہوکر

عین ہستی ہی ترے جلوے ہیں ممکن کی فنا
قطرہ کس شان سے مواج ہی دریا ہو کر

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کیوں کسی سے کوئی منسوب ہو اسکا ہو کر

واہ کیا عشق کی سرکار ہے اللہ اللہ
رتبے ملتے ہیں جہاں خلق میں رسوا ہو کر

شوق دیدار میں پھر حشر میں کروٹ لینگے
خاک میں سو گئے جو خاک سے پیدا ہو کر

بیقراری ہی ترے ہجر میں ملنے کی نوید
درد ہمت کو بڑھاتا ہے دلاسا ہو کر

بند کر آنکھ ذرا ہوش میں آ طالب دید
دیکھ دل میں ہمہ تن دیدۂ بینا ہو کر

دل پرسوز محبت پہ ذرا ہاتھ رکھو
کہ چمک اُٹھے چراغ ید بیضا ہو کر

دل ہو قابو میں تو انسان ہی انساں ہے یا آسی
وہ بھی کیا جو نہ رہے آپ ہی اپنا ہو کر

خادم حقیر آثم سہارنپوری

دیکھے دل رہ گئے ہم بیکس و تنہا ہو کر
ہو گیا دشمن جان وہ بھی تمہارا ہو کر

دیکھنے والے ترے دیکھ رہے ہیں مجھکو
خود تماشا میں ہوا محو تماشا ہو کر

چٹکیاں ناوک مژگاں سے کلیجے میں لو
گالیاں دو نگہ شرم سے گویا ہو کر

اے بتو تم کو بھی چاہوں تو خدا سے مانگوں
تمکو کیوں سجدے کروں بندہ خدا کا ہو کر

عرض مطلب پہ وہ جب دیتے ہیں دشنام مجھے
شوق کہتا ہی کہ جو کچھ تجھے کرنا ہو کر

جب وہ آئے ہیں تو آئے ہیں قیامت کیطرح
جب اُٹھے ہیں تو اُٹھے آگ بگولا ہو کر

ایک طوفان کا ہیولی تھا مرے دل کا غبار
قطرے اشکوں کے بہے آنکھ سے دریا ہو کر

چشم حسرت بہ فلک خاک بسر دامن چاک
ہم حسینوں میں گئے ایک تماشا ہو کر

لڑکے آنکھوں نے کبھی دل پہ قیامت ڈھائی
دل نے آنکھوں کو ڈبویا کہیں دریا ہو کر

تمت
کیا عجب دفتر عصیاں کو ڈبو دے اللہ
قطرۂ اشک ندامت مرا دریا ہو کر
بخیر

ایم، اے، او کالج پوئیٹکل سوسائٹی یعنے انجمن حدیقة الشعر علیگڈھ

مشاعرہ

اجلاسِ دوم "مراثی"

منعقدہ

۱۴ فروری ۱۹۱۵ء بوقت ۸½ بجے صبح

مضمون

"مرثیہ علامہ شبلی مرحوم یا مولانا حالی مغفور"

میر مشاعرہ: قاضی محمد جلال الدین صاحب جلال لکچرر محمدن کالج علیگڈھ

پریسیڈنٹ سوسائٹی

باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی انسٹیٹوٹ پریس علیگڈھ میں چھپا

جناب آبر۔ رامپوری

خاک بر دل کہ بدل صبر و قرار است کجا — حیف اے قوم کنوں عزو وقار است کجا
گلشن دہر ہماں۔ لیک بہار است کجا — در چمن زمزمہ سنجی ہزار است کجا

بُرد صیادِ اجل بلبلِ بستانی را
باز آرم ز کجا شبلی و نعمانی را

حضرت احسن۔ مارہروی

رخصت اے صبر! کہ بس جبر کی اب تاب نہیں — طمع عیش نہیں آرزوے خواب نہیں
جمع کیا کیا غم و اندوہ کے اسباب نہیں — دلِ مضطر نہیں یا دیدہ خونناب نہیں

خانۂ عیش میں بربادی و ویرانی ہے
آج مجموعۂ خاطر کی پریشانی ہے

عقل و ادراک ہیں گم۔ جمع نہیں ہوش و حواس — وحشت اُٹھتی ہے جو بیٹھے کوئی غمخوار بھی پاس
دل مایوس پہ ہیں قبضہ کئے خوف و ہراس — کچھ دکھائی نہیں دیتا ہے بجز حسرت و یاس

خاک اب اس کے زمانے میں کوئی سیر کرے
کہ بُرے دن نظر آتے ہیں خدا خیر کرے

کوئی سامانِ فراغت نہیں حسبِ دلخواہ — گھر ہے ویران تو گھر والے ہیں برباد و تباہ
اس طرف ملک میں ہیں قحط و وبا شام و پگاہ — اُس طرف قوم میں فقدانِ کمال آہ صد آہ

جب سے خوش بختی و اقبال نے مُنہ پھیرا ہے
ہر طرف سے غم و ادبار نے آگھیرا ہے

آج سے چند صدی قبل کی سُنئے حالت — نہ یہ ادبار کا نقشہ تھا نہ غم کی صورت

کمال تھا عیش کا تھی رنج کی بڑھتی دولت ۔۔۔ اور پھر علم و کمالات کی شان و شوکت

کوئی مفلس نظر آتا تھا نہ جاہل کوئی
تھا نہ اُس عہد کا بے فکر بھی کاہل کوئی

اصفہان و عربستان کا ہو کیا ذکر یہاں ۔۔۔ کہ پسندیدہ و مرغوب نہیں طول بیاں
خطۂ ہند جسے کہتے ہیں فردوس نشاں ۔۔۔ اُس کے حالات ہی پڑھئے تو یہ ہو جائے عیاں

رات دن بام ترقی پہ چڑھے رہتے تھے
کیا زمانہ تھا کہ ہم سب سے بڑھے رہتے تھے

اولیا و صلحا و عرفا و امرا ۔۔۔ فقہا و علما و عقلا و وزرا
حکما و فصحا و بلغا و شعرا ۔۔۔ اتقیا و کملا و رؤسا و فقرا

یہ سب، اور انکے سوا پیشہ ور و اہل ہنر
ملک میں پھیلے تھے یوں جیسے فلک پر اختر

فارغ البال تھے، اُس عہد میں سب اہل کمال ۔۔۔ آب و خور کی نہ گرانی تھی نہ تھا قحط رجال
جس کو دیکھو نظر آتا تھا نہایت خوش حال ۔۔۔ عیش و عشرت کے سوا پاس نہ تھا رنج و ملال

باکمالوں کی یہ کثرت تھی زمانے بھر میں
جمع ہو جاتے تھے دس دس کبھی ایک گھر میں

اس تعین کو سمجھئے نہ غلوِ شاعر ۔۔۔ بے تکلف اسے مانینگے جو ہونگے ماہر
واقعاتِ متواتر سے ہوں کیونکر منکر ۔۔۔ دیکھ سکتے ہیں تواریخ کو اب بھی ناظر

اک صدی میں کملا و فضلا تھے جتنے
عمر بھر اب نظر آئیں گے نہ یکجا اتنے

اکبری عہد کی تاریخ ہی دیکھیں ہم اگر ۔۔۔ سیکڑوں آئیں نظر اہل کمال اہل نظر
جن کا اُس وقت میں ثانی تھا نہ کوئی ہمسر ۔۔۔ فرد فرد اپنے کمالات میں تھے نام آور

دھوم تھی ہند سے ایران و عرب تک سب کی
جب تھی جب عزت و توقیر ہی اب تک سب کی

جب ہوا عالمِ ایجاد میں اکبر پیدا
جلوہ گر نو سو انچاس سنِ ہجری تھا

سو برس تک ہو جو اُس سال سے حصر کملا
ایک مجموعہ طومار ہو فہرست ہو گیا

ڈالیئے ذیل کے ناموں پہ نظر بالاجمال
کہ فقط ایک صدی میں ہیں یہ اصحابِ کمال

ملک بھر کے کملا کا تو ہے دشوار شمار
ایک کوزے میں سماتا نہیں بحرِ ذخار

ہے مناسب کہ نمونے کے لئے ہوں اظہار
صرف وہ نام جو تھے زینتِ شاہی دربار

صورتِ ترجمہ اسلاف کی تحریریں ہیں
اکبر و عہدِ جہانگیر کی تصویریں ہیں

خانِ خانان[1] و ابوالفضل[2] و ضمیری[3]، عرفی[4]
دکنی خواجہ خداوند[5] و صبوحی[6]، فیضی[7]

میرزا جعفر[8] و ہمام[9] و محمد یحیٰی[10]
ملکِ قمی[11] و ملا ے حسینِ نقشی[12]

میر فتح اللہ[13] شیرازی و قاضی کمال[14]
حاجیِ افضل[15] و مشکیں[16] رقم و شیخ جلال[17]

[1] اکبر اور جہانگیر کے درباریوں میں یہ خطاب تین آدمیوں کا تھا (۱) بیرم خاں جو ہمایوں کے عہد سے وابستہ دربار تھا المتوفی سنہ ۹۶۸ھ (۲) منعم خاں پسر بیرم خاں المتوفی سنہ ۹۶۳ھ (۳) عبدالرحیم خان خانان المتوفی سنہ ۱۰۳۶ھ [2] شیخ ابوالفضل دربار اکبری کا مشہور علامہ المتوفی سنہ ۱۰۱۱ھ [3] مولانا نظام الدین ضمیری بلگرامی المتوفی سنہ ۱۰۰۳ھ [4] مولانا جمال الدین عرفی المتوفی سنہ ۱۰۳۶ھ [5] خواجہ خداوند دکنی اکبری دربار کا ڈیڑھ ہزار منصبدار المتوفی سنہ ۹۹۵ھ [6] صبوحی المتوفی سنہ ۹۷۲ھ [7] شیخ ابوالفضل فیضی المتوفی سنہ ۱۰۰۴ھ [8] میرزا جعفر قزوینی المخاطب بہ آصف خاں وزیر جہانگیر المتوفی سنہ ۱۰۲۱ھ [9] اصل نام ہمایوں تھا مگر دربار اکبری میں حکیم ہمام نام تھا المتوفی سنہ ۱۰۰۳ھ [10] محمد یحیٰی المتوفی سنہ ۹۹۹ھ [11] ملکِ قمی مشہور شاعر المتوفی سنہ ۱۰۲۵ھ [12] ملا حسین نقشی مہرکن تھے المتوفی سنہ ۹۰۹ھ [13] میر فتح اللہ شیرازی المتوفی سنہ ۹۹۷ھ [14] قاضی ابوالفتح عرف قاضی کمال بلگرامی المتوفی سنہ ۱۰۱۱ھ [15] حاجی افضل بلگرامی المتوفی سنہ ۹۸۰ھ [16] میر عبداللہ ترمذی مخاطب مشکیں رقم المتوفی سنہ ۱۰۳۵ھ [17] شیخ جلال المتوفی سنہ ۹۸۹ھ

طالبِ آملی و شیخ سلیم چشتی نورِ دیں، شیخ مبارک، شہ عارف نامی		حافظ رخنہ و نور اللہ و قاسم علوی شمس دیں خانِ زماں، یوسف و ملا طاری
	حضرت غوث و ضیاء اللہ و عبد القادر مشہدی، کوکہ، ابو الفتح، رفیع شاعر	
بیگ خاں تردی و شیخ احمد الف ثانی میرزا شاہ رخ و عدل و حکیم مصری		شیخ عبد النبی و شیخ گدائی، بخشی خانِ غازی و معالی و رفیع صفوی
	ناصر الملک و علائی و شہ عبد غفور مرتضیٰ، خانِ جہاں، خواجہ امینا منصور	

[18] ملک الشعرا طالب آملی المتوفی ۱۰۳۵ھ [19] حضرت شیخ سلیم چشتی مشہور بزرگ المتوفی ۹۷۹ھ [20] حافظ رخنہ المتوفی ۱۰۰۱ھ [21] قاضی میر نور اللہ شستری المتوفی ۱۰۱۹ھ [22] سید نجم الدین نام۔ ابو القاسم کنیت۔ کاہی تخلص المتوفی ۹۸۸ھ [23] شیخ وجیہ الدین گجراتی علوی المتوفی ۹۹۸ھ [24] حکیم نور الدین المتخلص بہ قراری المتوفی ۹۹۸ھ [25] مبارک اللہ عرف شیخ مبارک والد فیضی و ابو الفضل المتوفی ۱۰۰۱ھ [26] شاہ عارف حسینی المتوفی ۱۰۰۰ھ [27] حکیم الملک شمس الدین گیلانی المتوفی ۹۸۹ھ [28] امیر الامرا خانِ زماں علی قلی خاں سیستانی المتوفی ۹۷۵ھ [29] محمد یوسف درباری اکبر المتوفی ۹۷۰ھ [30] ملا علی محدث طاری تخلص المتوفی ۹۸۱ھ [31] سید محمد غوث گوالیاری المتوفی ۹۷۰ھ [32] شیخ ضیاء اللہ المتوفی ۱۰۰۵ھ [33] ملا شیخ عبد القادر بدایونی المتوفی ۱۰۰۴ھ [34] ملک الشعرا مولانا غزالی مشہدی المتوفی ۹۸۰ھ [35] مرزا عزیز کوکہ الملقب بہ اعظم خاں المتوفی ۱۰۳۳ھ [36] مسیح الدین حکیم ابو الفتح گیلانی برادر حکیم ہمام المتوفی ۹۹۷ھ [37] رفیع الدین نام۔ دکن وطن۔ شاعر دربار اکبر۔ المتوفی ۱۰۰۰ھ [38] تردی بیگ خاں ترکستانی ہمایوں کے عہد سے وابستۂ دربار تھے۔ [39] شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی مشہور بزرگ المتوفی ۱۰۳۴ھ [40] شیخ عبد النبی صدر المتوفی ۹۹۰ھ [41] شیخ گدائی کمبوہ المتوفی ۹۷۶ھ [42] شیخ نظام الدین احمد المتخلص بہ بخشی صاحب طبقاتِ اکبری ۱۰۰۳ھ [43] میرزا شاہ رخ المتوفی ۱۰۱۶ھ [44] سید محمد میر عدل علاقہ سنبھل کے رہنے والے تھے المتوفی ۹۸۶ھ [45] حکیم مصری دکنی شاہی طبیب [46] قاضی نظام بدخشی ملقب بہ غازی خاں المتوفی ۹۹۲ھ [47] شاہ ابو المعالی خواجگان کاشغر کے گھرانے سے تھے المتوفی ۹۷۱ھ [48] سید رفیع الدین صفوی ہمایوں کے درباری تھے [49] ناصر الملک ملا پیر محمد خاں اکبر کے درباری تھے [50] شیخ علائی صوبۂ بنگال کے ساکن المتوفی ۹۵۷ھ [51] شاہ عبد الغفور عرف بابا کپور اکبری عہد کے مجذوب تھے المتوفی ۹۷۹ھ [52] میر مرتضیٰ شریفی سید شریف جرجانی کی اولاد میں تھے ۹۶۴ھ تک زندہ تھے۔ بعد وفات امیر خسرو دہلوی کے جوار میں دفن ہوئے [53] حسین قلی خاں خانِ جہاں۔ بیرم خان خاناں کا بھانجا المتوفی ۹۸۶ھ [54] خواجہ امین الدین قزوینی مشہور خواجہ امینا ملقب بہ خواجہ جہاں۔ المتوفی ۹۸۳ھ [55] خواجہ منصور المتوفی ۹۸۷ھ (ماخوذ از عہد اکبری [illegible])

اکثر ان میں ہیں وہی نام جو تھے درباری ۔۔۔ جن کو اکبر سے عنایت ہوئی منصبداری
اہل دربار کی فہرست نہیں یہ ساری ۔۔۔ سب گنے جائیں تو ہو جائے کتاب اک بھاری

ہے فقط اسم شماری یہ نمونے کے بطور
ورنہ درباریوں کے نام ہیں باقی ابھی اور

سب کے سب ان میں تھے نام آور و صاحب اقبال ۔۔۔ بدر کامل کوئی تھا، کوئی تھا خورشید کمال
سب کے اوصاف کی تشریح ہے اک طول خیال ۔۔۔ مختصر یہ ہے۔ انھیں سے تھا سب اکبر کا جلال

شاہ گر ان میں نہ تھا کوئی تو حیرت کیا ہے
شاہ گر جب تھے تو پھر اور حقیقت کیا ہے

ایک دربار کی اک شہر کی یہ تھی حالت ۔۔۔ ملک بھر کا ہو جو احصار تو یہ پہونچے کثرت
گننے والوں کو ہو گننے میں نہایت دقت ۔۔۔ سیکڑوں کیا کہ ہزاروں پہ ہو اُن کی نوبت

اس سے اندازۂ تعلیم سلف ہوتا ہے
اس سے لیتا ہے سبق وہ جو خلف ہوتا ہے

اک وہ تھا عہد قدیم ایک یہ ہے عصر جدید ۔۔۔ جامۂ کہنہ کی یک لخت ہوئی قطع و برید
نہ وہ تعلیم و تعلم ہے نہ وہ گفت و شنید ۔۔۔ ہے ہر اک رنگ ہر اک بات میں گویا تجدید

ایشیائی روش و طرز کے انداز نہیں
وہ ترانے نہیں وہ دھن نہیں وہ ساز نہیں

نہ وہ عالم نہ وہ علم اور نہ وہ شان تعلیم ۔۔۔ نہ وہ مکتب نہ وہ حافظ نہ میاں جی نہ حکیم
نہ وہ شاعر نہ وہ اشعار نہ وہ طبع سلیم ۔۔۔ مٹ گئیں صفحۂ عالم سے تصاویر قدیم

نہ وہ میخانہ نہ مے کش ہیں نہ وہ ساقی ہے
بس اک اللہ کا ہی نام کہ وہ باقی ہے

آ گئی ہم پہ یکا یک یہ تباہی کیسی ۔۔۔ روشنی میں نظر آتی ہے سیاہی کیسی

علم و دولت نے رفاقت یہ نباہی کیسی
ہوئی کایا پلٹ اپنی یہ آئی کیسی

سو برس پہلے جو حالت تھی وہ حالت نہ رہی
تیغ ہندی کی وہ بُرش وہ اصالت نہ رہی

کہتے ہیں سب کہ ترقی کا یہی اصلی ہے دور
پہلے انداز تھا اور اب وہ ہوا اور سے اور
ہوگئی ہے روشِ کہنہ ہر اک قابلِ غور
قابلِ وقعت و عزت نہیں پچھلا کوئی طور

مشرقی علم و ادب کو کوئی پڑھتا ہی نہیں
زینہ موجود ہے لیکن کوئی چڑھتا ہی نہیں

دیکھ لی ایک صدی کی یہ ترقی یہ بہار
تیرھویں پچھلی صدی میں جو بچے تھے دو چار
اب ذرا ایک صدی کا ہو تنزل بھی شمار
ہو گئے راہیِ فردوس مٹے سب آثار

نام اُن نامیوں کے آج سنائیں کن کو
اجنبی لوگ نظر آتے ہیں دیکھو جن کو

یادگار اُن کی جو دو شخص تھے فرخندہ خصال
وہ اُٹھے کیا کہ ہوا خاتمۂ فضل و کمال
اُن کو بھی کھا گئی موت اُٹھ گئے وہ بھی امسال
جانشیں اُن کا ملے کوئی یہ ہے خام خیال

ہائے اک ساتھ گئے شبلی و حالی دونوں
کر گئے میکدۂ علم کو خالی دونوں

تھے یہ دونوں چمنستانِ ادب کے بلبل
اُن کے نغموں میں بھری رہتی تھی کیفیتِ مُل
منبعِ علم و عمل۔ راہ نما شمعِ سُبل
مستی انگیز تھی مینائے سخن کی قلقل

علم کا جب تک اثر زیرِ فلک باقی ہے
اُن کے انوارِ لیاقت کی چمک باقی ہے

فلکِ علم کے شمس العلما تھے دونوں
کیا زمانے کو بتائے کوئی کیا تھے دونوں
ملکِ شہرت کے رئیس العرفا تھے دونوں
جن کا ثانی نہیں ایسے کملا تھے دونوں

یادگارِ سلف ایسے نظر آنے کے نہیں
جو ہیں، وہ نبض شناس اپنے زمانے کے نہیں

فنِ تاریخ و ادب فیض رساں ہے جبتک
مکتبِ درس میں معنی و بیاں ہے جبتک
نثر اور نظم کا دنیا میں نشاں ہے جبتک
صاحبِ نطق کو پروائے زباں ہے جبتک

نام ان ناموروں کے ہیں درخشاں ایسے
آسماں پر ہیں چمکتے ہوئے تارے جیسے

ان کی خدمات ہیں مثلِ مہِ تاباں روشن
کیا کلام اُن کے کمالوں پہ کریں اہلِ سخن
کون واقف نہیں اس سے کہ وہ تھے کاملِ فن
پا چکا حُسنِ قبول اُن کا ہر اک فعلِ حَسن

کب وہ بے کار کوئی کام کیا کرتے تھے
رات دن خدمتِ اسلام کیا کرتے تھے

کارنامے بہت اُن کے ہیں مگر کم از کم
اُن میں سے بعض مضامین یہاں ہونگے رقم
وہ تصانیف جنھیں دیکھ رہا ہے عالم
تاکہ معلوم ہو ان دونوں کا فیضانِ قلم

اصل مطلب سے اب آغازِ سخن ہوتا ہے
یعنی اک اک کا بیاں منفرداً ہوتا ہے

سیرتِ حضرتِ فاروق[1] و امامِ اعظم[2]
عہدِ مامون[4] کے بیانات و خیالاتِ اتم
حضرتِ مولوئِ روم[3] کے حالات شمیم
الکلام[5] اور کئی تذکرۂ شعرِ عجم[6]

یہ تصانیف ہیں سب شبلی نعمانی کی
دھوم ہے چار طرف جن کی سخندانی کی

سب سے افضل ہے مگر ایک وہ آخر تالیف
صدقِ نیت سے نہ کس طرح کریں ہم توصیف
جس سے بہتر نہ ہوئی ہے نہ کوئی ہو تصنیف
کہ وہ ہیں بانئِ اسلام کے حالاتِ شریف[7]

---

[1] الفاروق ۱۲ [2] سیرۃ النعمان ۱۲ [3] سوانحعمری مولوی روم ۱۲ [4] المامون ۱۲ [5] الکلام ۱۲ [6] شعر العجم جلد
[7] سیرتِ نبوی جو زیرِ تالیف تھی اور اب نامی پریس کانپور میں زیرِ طبع ہے ۱۲

جسم اگر اور تصانیف ہیں تو جان وہ ہے
ہر مسلمان کے ایمان میں ایمان وہ ہے

ان کتابوں کے سوا اور کتابیں بھی ہیں چند
کر دیا نظم کی قیدوں نے کچھ ایسا پابند
قوم کے واسطے ہر طرح جو ہیں فائدہ مند
نام موزوں نہ ہوئے کوشش و کد کی ہر چند

نام لکھنے کی ضرورت نہیں سب جانتے ہیں
اہلِ علم اُن کی تصانیف کو پہچانتے ہیں

اور اک کام ہے تالیفِ کتب سے بھی سوا
واہ کیا کام ہے، جس کام میں یہ نام ہوا
ہفت اقلیم میں جس کام نے مشہور کیا
بن کے خادم وہ ہر اک شخص کا مخدوم بنا

سب کو معلوم ہے مخفی کوئی اسرار نہیں
کون ندوے کی حقیقت سے خبردار نہیں

قوم، تعلیم و تعلّم کو بھلا بیٹھی تھی " "
مُردہ دل بن کے وہ یاروں کو رُلا بیٹھی تھی
بختِ بیدار کو کم بخت سُلا بیٹھی تھی
اپنے سر جتنی بلائیں تھیں بُلا بیٹھی تھی

ایسے ہی چند بزرگوں نے دل افزائی کی
قوم جو مر رہی تھی اُس کی مسیحائی کی

آج سے بیس برس پہلے کا یہ ہے مذکور
اور آپس میں کیا مشورۂ چند اُمور
کہ ہوئے جمع کچھ اہلِ خرد و اہلِ شعور
اُسی اجمال کی تفصیل ہے ندوے کا ظہور

اختلافات کی اوّل بہت اُفتاد پڑی
آخرِ کار مگر، ندوے کی بنیاد پڑی

فی الحقیقت غرضِ ندوہ نہیں غیر مفید
اچھی تعلیم کی ہر وقت ضرورت ہے شدید
شہد کو زہر کہے کوئی یہ ہے امرِ بعید
اور رفتارِ زمانہ کی ہے واجب تقلید

چاہیے سب کو زمانے کی ہوا پر چلنا

ورنہ انجام میں ہوگا کفِ حسرت ملنا

غرض اس نیک عمل کے تھے جو پیچھے عامل
کوئی ذاتی غرض انکی نہ تھی اس میں شامل
سب کے سب تھے فلکِ علم کے ماہِ کامل
رازِ فطرت کے خبردار و امین و حامل

قوم کا، اُن کی ہی کوشش سے مقدر چمکا
مشرقِ علم کا پھر مہرِ منوّر چمکا

سر برآوردہ تھے اس صف میں جنابِ شبلی
وہ نہ ہوتے تو نہ پاتا وہ ترقی اتنی
سعی و کوشش سے انھیں کی ہی یہ نوبت پہنچی
کہ بنی دارِ علوم ایک خیالی بستی

نقشہ جبتک ہی بپا صورتِ انسانی کا
نام ندوے میں ہی ضم شبلی نعمانی کا

اُٹھ گیا ہائے زمانے سے وہ فخرِ دوراں
جس کے ماتم میں ہی آج ایک زمانہ نالاں
اُس کا ہمسر نظر آتا نہیں کوئی انساں
مسندِ علم کا وارث کوئی ایسا ہی کہاں

تربتِ حضرتِ شبلی جو نظر آتی ہے
آنکھ ہر اک کی اُسے دیکھکے بھر آتی ہے

آج جس شان کے عالم کی ہی عالم کو تلاش
نظر آتی نہیں وہ شکل وہ صورت وہ تماش
کیا تعجب ہی جو اپنے علما ہوں خوش باش
مگر افسوس جسے دیکھئے مفلس قلاش

فاقہ مستی کا لقب فقر و غنا رکھا ہے
اپنی مستی کو بُری طرح مٹا رکھا ہے

بادۂ عجب و تکبر نے کیا ہے مغرور
نشۂ بغض و تعصب سے ہوئے ہیں سب چور
اپنے ہم جنس سی ہم قوم سے بے وجہ نفور
علم ہی پاس عمل سے ہیں، مگر کوسوں دُور

دوسروں کیلئے ہی وعظ و نصیحت کیا کیا
نظر اس پر نہیں، اپنی ہی فضیحت کیا کیا

ان معائب سے مبرا تھے مگر نعمانی — نہ ریا اُن میں نہ تھا کبر، نہ بالا خوانی
نہ کسی اپنے معاصر سے لڑائی ٹھانی — نہ کبھی آبروئے علم پہ پھیرا پانی
زندگی ختم بڑی عزت و توقیر سے کی
اپنی امداد یہ سب اپنی ہی تدبیر سے کی

گریہ ہم کیوں نہ کریں، آہ بھی ہم کیوں نہ کریں — ایسے نام آور و علامہ کا غم کیوں نہ کریں
اہلِ علم اُن کے لیے رنج و الم کیوں نہ کریں — مرثیے اُنکے رقم اہلِ قلم کیوں نہ کریں
رنج اس مرگ پہ کیونکر نہ کرے گا کوئی
سب مرینگے، مگر ایسا نہ مرے گا کوئی

ابھی شبلی کا کفن بھی نہ ہوا تھا میلا — دام، صیادِ اجل کا نئے سر سے پھیلا
لیچلا بھر کے وہ فتراک کا اپنے تھیلا — اکر گئے حضرتِ حالی بھی قضا وا ویلا
چھپ گئے، شمس و قمر، بچھ گئیں ماتم کی صفوف
ہوگیا ڈیڑھ مہینے میں کسوف اور خسوف

سالِ[1] پیوستہ ہجری میں رہی تھی اک شب — کہ ہوئی شبلی مرحوم کی جنت سے طلب
عیسوی[2] سال بھی ہونے لگا رخصت یہیں جب — دے گئے حالیِ مغفور غم و رنج و تعب
نسبت یکجہتی کر گئے ظاہر دونوں
سالِ آخر کی طرح ہو گئے آخر دونوں

کوئی پوشیدہ و مخفی نہیں حالِ حالی — حال کے ساتھ ہے وابستہ مقالِ حالی
صورتِ بدر ہے رخشندہ کمالِ حالی — آج دنیا میں نہیں کوئی مثالِ حالی
دل ہی پژمردہ طبیعت میں بحالی نہ رہی
خاک رہتی کہ یہاں صورت حالی نہ رہی

۱؎ ۲۹ر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو مولانا شبلی کا انتقال ہوا۔ اور دوسرے روز ۱۳۳۳ھ شروع ہوا ۱۲
۲؎ ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو مولانا حالی نے رحلت کی اور دوسرے روز سے ۱۹۱۵ء کی ابتدا ہوئی ۱۲

اپنے اسلاف کی تصویرِ مجسم وہ تھے
گو مؤخر تھے مگر فخرِ مقدم وہ تھے
کاملِ فن وہ تھے اُستادِ مسلّم وہ تھے
نالہ کش ہجر میں جن کے لئے ہیں ہم وہ تھے

آدمی ایک نہیں، لاکھ نظر آئیں گے
مگر ایسے نہ بشر بارِ دگر آئیں گے

گو بظاہر اُنھیں سب جان رہے ہیں شاعر
مگر ابتک نہیں اس راز سے اکثر ماہر
جو حقیقت میں ہیں شاعر وہ ہیں شاذ و نادر
شاعری کے لئے درکار ہے علمِ وافر

علما کا ہی یہ حق، منصبِ جہال نہیں
یہ تفنّن کوئی بازیچۂ اطفال نہیں

رتبہ شاعر کا حقیقت میں ہی اس درجہ بلند
کہ نہ پہنچے گی جہاں عالمِ خیالوں کی کمند
طبعِ موزوں کی مدد بھی ہی بہت فائدہ مند
مگر آتا نہیں بے ایڑھ کے قابو میں سمند

جبتک امداد نہ ہو علم کی افزونی سے
کام چلتا نہیں کچھ طبع کی موزونی سے

واعظ و شاعر و سیّاح و وکیل و قاضی
کرنی پڑتی ہی زمانے کی جنھیں نباضی
گر نہ ہوں عالمِ مستقبل و حال و ماضی
خاک پھر مدِ مقابل کو کریں گے راضی

مرجعِ خلق بنایا ہی خدا نے ان کو
اس لئے علم کے بخشے ہیں خزانے ان کو

شاعرِ کاملِ فن حضرتِ مولٰنا تھے
علم و عقل و ہنر و فضل میں فرزانا تھے
صائب الرائے تھے، صاحب خرد و دانا تھے
محض جذبات و خیالات سے بیگانا تھے

شاعری کے لئے تھے موجدِ اندازِ جدید
محفلِ شعر میں وہ چھیڑ گئے سازِ جدید

جس نے دیکھا ہے تصانیف کو حالی کی بغور
اُس کو معلوم ہی کیا شان تھی اُن کی کیا طور

تھا مبارک شعرا کے لئے مرحوم کا دم — اب کوئی اُن کا مخالف ہو تو یہ بات ہے اور

تھے خوشامد طلب صلا نہ وہ درباری تھے
نہ مثالِ شعرا شاکیِ ناداری تھے

شاعری کرتے تھے، پیشہ نہ سمجھتے تھے مگر — تھی نظر اپنی لیاقت پر انھیں آٹھ پہر
ذاتی اغراض کسی وقت نہ تھیں مدِ نظر — بلکہ ہر کام میں تھا نفعِ بنی نوعِ بشر

اپنے منہ سے کوئی فقرہ بھی نہ بے سود کہا
جب کہا شعر تو وہ شعرِ بہبود کہا

ہے جو مجموعۂ نظم اُن کا وہ بے مثل ہے سب — خالی از فائدہ گویا نہیں کوئی مطلب
آشنا حرفِ غلط سے نہ ہوئی جنبشِ لب — فرد فرد اُن کی ہے روحِ سخن و جانِ ادب

شک ہو جس کو تو وہ مرحوم کا دیوان دیکھے
لطفِ شعر و سخن و شانِ سخن داں دیکھے

دیکھئے نظم میں جزر و مدِ اسلام کی شان — جس پہ سارے شعرا کے ہیں دواوین قربان
اس مسدس کا ہر اک شعر ہے ایمان کی جان — اکثر اشعار کا جس کے ہے مویدِ قرآن

سب سے اعلیٰ ہے جو تصنیفِ مقدس وہ یہ ہے
شش جہت میں ہے جو مشہور مسدس وہ یہ ہے

اس مسدس کے سوا اور بھی ہیں مثنویاں — بعض نظموں کے جداگانہ ہیں قائم عنوان
اور قطعات و غزل سے بھی ہے زیبِ دیوان — ہر طرح سب کا دل آویز ہے اندازِ بیاں

اُن کے دیوان میں ہر صنفِ سخن پائیں گے
اثر و درد بہت ماہرِ فن پائیں گے

اُن کی نظموں کو جو بخشی ہے خدا نے تاثیر — اُس اثر کی نہیں ملتی ہے کہیں اور نظیر
وہ دل آویز وہ دلچسپ ہے شانِ تحریر — کر لیا کرتی ہے بے ساختہ دل کو تسخیر

گو کہ ہم عہد ہیں ہم لوگ زرا فصل نہیں
مگر اب جو ہیں وہ ہیں نقل کوئی اصل نہیں

اہل فن اُن کو سمجھتے تھے ہر اک بات میں فرد
اُن کی نثریں تھیں جو دلچسپ تو نظمیں پُر درد
نظم کی طرح وہ تھے نثر کے میداں میں بھی مرد
گرم بازاریِ مضمونِ کہن کر گئے سرد

پانسا اُلٹا ہوا اب کہنہ خیالی کا ہے
رائج الوقت جو سکہ ہے وہ حالی کا ہے

ہائے اے خطۂ ہند اے وطنِ اہلِ کمال
عہدِ ماضی کی طرح اب نظر آتا نہیں حال
کیا ہوئی آج تری شانِ عروج و اقبال
جس طرف دیکھیے موجود ہیں ادبار و زوال

دولتِ علم ہے باقی نہ وقارِ قومی
لے گئے چھین کے اغیار شعارِ قومی

پڑھیے اب فاتحہ خیر کہ ہر بات گئی
شوکتِ قوم گئی شانِ کمالات گئی
وہ زمانہ گیا، وہ دن گئے، وہ رات گئی
قصہ کوتاہ بزرگوں کی کرامات گئی

دولتِ علم بچی بھی تھی جو کچھ لے دے کر
چل دیئے شبلی و حالی سوئے جنت لے کر

جناب عبد الغفار خاں صاحب آختر بی اے (علیگ) سکرٹری
میونسپل بورڈ سکندر آباد ضلع بلند شہر

عمر پابندِ وفا عالمِ امکاں میں نہیں
ڈھونڈھتا ہے عبث اس دہر میں تو نقشِ ثبات
دسترس دستِ فنا کا نہ کبھی ہو جس پر
ثبت یہ عہد کہیں دفترِ دوراں میں نہیں
یہ وہ ہی چیز جو اس منزلِ گذراں میں نہیں
کوئی ایسا گلِ تر صحنِ گلستاں میں نہیں

کل جو کہلاتے تھے، شاہنشہِ اقلیمِ سخن — ہائے آج اُن کا نشاں معشرِ انساں میں نہیں
اُن کے ماتم میں یہ اندازِ جنوں ہے اپنا — بخیہ دامن میں نہیں تار گریباں میں نہیں
کیوں نہ ایسا ہو جب اُٹھ جائیں وہ اربابِ کمال — جن کا ثانی کوئی اب قوم مسلماں میں نہیں
اُٹھ گئے شبلی و حالی سے جو رہبر اے قوم — خضرِ رہ کوئی بھی اب تیرا بیاباں میں نہیں

دورِ تصنیف اُٹھا نظم کا چرچا نہ رہا
رہ نما کوئی بھی اس راہ میں اپنا نہ رہا

کہنہ مشقوں میں تھے یہ موجدِ اندازِ جدید — کام وہ کر کے دکھائے کہ نہ دید اور نہ شنید
کیا سے کیا ہو گئی اُردو انھیں لوگوں کے طفیل — یہ نہ ہوتے تو بھلا کس سے تھی اتنی اُمید
دستگیری نہ یہ کرتے اگر اُس کی تو کبھی — ہاتھ آتی نہ درِ علم کی اُردو کو کلید
یاوہ گوئی سے فقط نثر کو رہتا سروکار — نظم کرتی ہوسِ بوالہوساں کی تائید
راستے ایسے نکالے کہ خدا شاہد ہے — چارہ کچھ اہلِ سخن کو نہ رہا جز تقلید
نثر کو سیرت و تاریخ کا خلعت بخشا — نغمۂ نظم کو دی لذتِ لحنِ ناہید
اُس پہ طرہ یہ کہ تا زیست ہوئی ان کو کبھی — نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی اُمید

پھر ستم تیرِ مطاعن کا نشانا ہونا
سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہوتا ہے اچھا ہونا

ہائے کیوں ان سے چھڑایا ہمیں اے دورِ فلک — جانشیں بھی نہیں جن کا کوئی ہم میں اب تک
رنگ میں اپنے تو یہ لوگ تھے آپ اپنی مثال — کام میں اپنے تو یہ لوگ تھے یکتا بیشک
لیکن اتنا بھی جو ہوتا تو ذرا صبر آتا — کہ نظر آتی نئی پود میں کچھ انکی جھلک
کم ہیں ہم میں جو ذرا زخم پہ مرہم رکھیں — ہاں بہت ایسے ہیں جو اور چھڑکتے ہیں نمک
جبتک اسلاف کی جلسوں کی نہ کریں توہین — یہ سمجھتے ہیں کہ نکلی ہی نہیں دل کی جھجک
کون ہے اب جو ہمیں راہ پہ لائے آخر — کون ہے نورِ حقیقت کی دکھائے جو چمک

ان کے اُٹھنے سے نظر آتی ہے دنیا خالی
جس طرف دیکھتے ہیں ہم ز سما تا بہ سمک

امتیازِ حق و باطل کے شناسا نہ رہے
رہ گئے شیشۂ چشم آئینہ سیما نہ رہے

دلِ بیتاب کو ہو ضبط کا یارا کیونکر
التہابِ نفسِ گرم ہو ٹھنڈا کیونکر

ہم ہیں اور ذوقِ تماشائے رُخِ پُر انوار
محو ہو چشمِ تصوّر سے وہ جلوا کیونکر

آزمائش کچھ اسی میں ہے فلک کو منظور
داغ پر داغ اُٹھاتا ہے کلیجا کیونکر

اُٹھ گئے ہائے وہی فخر تھا جن سے ہمکو
آبرو دہر میں اب ہوگی خدایا کیونکر

فرقتِ سیّد و مہدی میں تھے ہم سینہ فگار
صدمات شبلی و حالی کا اُٹھے گا کیونکر

رنج پر رنج کا سہنا نہیں آساں اختر
دیکھنا یہ ہے کہ اب ہوتا ہے جینا کیونکر

اشکِ خوں کیوں نہ بہے غم کا تقاضا ہے یہی
جانشیں کون ہو ان دونوں کا رونا ہے یہی

جناب باغ سنبھلی تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم

ماجرائے الم بیان کریں
اِس طرف آئیں اُس طرف جائیں

جو گذرتی ہے جان پر کہہ دیں
اس کو روئیں کہ ہم اُسے روئیں

دونوں ہاتھوں سے کام لیتے ہیں
دل جگر دونوں تھام لیتے ہیں

کیسی عبرت کی جا ہوئی دنیا
جو سُنا تھا وہ آنکھ سے دیکھا

جس طرف دیکھئے فنا ہی فنا
جو لکھا تھا وہ سامنے آیا

چل بسے ہائے شبلی و حالی
یہ زمانے بھی ہو گئے ماضی

بخت خفتہ کو اب جگائے کون ۔۔۔ بگڑی تقدیر کو بنائے کون
حوصلہ قوم کا بڑھائے کون ۔۔۔ پار اس ناؤ کو لگائے کون

ڈوبتوں کا کچھ آسرا نہ رہا
بخدا کوئی ناخدا نہ رہا

تجھسے اُمید اے فلک کیا ہے ۔۔۔ جو دکھایا ہے ہم نے دیکھا ہے
تیرا ہر طرح بول بالا ہے ۔۔۔ سب کا سر تیرے آگے نیچا ہے

او بناکر بگاڑنے والے
او بساکر اُجاڑنے والے

ایسی تھی ہم میں کونسی خوبی ۔۔۔ کونسی ایسی بات دیکھی تھی
کونسی تجھسے آرزو نکلی ۔۔۔ ایسی اُمید کیا ہوئی پوری

ایسے کیا حد سے بڑھگئے تھے ہم
ایسے کیا سر پہ چڑھگئے تھے ہم

صرف لے دیکے دو سہارے تھے ۔۔۔ بحر مقصد کے دو کنارے تھے
جگر و دل کی طرح پیارے تھے ۔۔۔ دونوں آنکھوں کی دونوں تارے تھے

کیسا اندھیر کردیا تونے
بے وفا ڈھیر کردیا تونے

بیخ اُمید یوں اُکھڑ جائے ۔۔۔ محفل عیش یوں اُجڑ جائے
دوستی دوست یوں بچھڑ جائے ۔۔۔ کام بن بن کے یوں بگڑ جائے

بزم کی بزم کو اوداس کیا
ستیاناسی تونے ناس کیا

رہبر قوم دین کے ہادی ۔۔۔ یعنی علامہ جہان شبلی

ہر گھڑی دونوں کی رضا جوئی
ادھر انساں اُدھر خدا راضی

شامل خلق گاہ جلوت میں
واصل حق تھے گاہ خلوت میں

قوم کی فکر ہر گھڑی ہر دم
غم نہ تھا کوئی تھا مگر یہ غم
ذکر جاری زبان پر پیہم
رہے دنیا میں مومنوں کا بھرم

وقفِ اسلام زندگانی تھی
حق پرستی کی یہ نشانی تھی

گم ہوا تھا ابھی نہ یہ ماتم
گر پڑا اس پہ اور کوہ الم
بیٹھنے پائے تھے نہ چین سے ہم
یعنی حالی برفت سوئے عدم

وار بھرپور ہو گیا افسوس
زخم ناسور ہو گیا افسوس

ایک دل اور اس قدر صدمے
ایک دم اور اس قدر جھگڑے
اک زبان اور اس قدر نالے
اک جگر اور اس قدر بھالے

ستمِ چرخِ بے وفا کہیے
بس نہیں چلتا ہائے کیا کہیے

ہاں فلک اب بتا کدھر جائیں
بہرِ تسکینِ جاں کسے لائیں
کارواں گم ہوا کہاں پائیں
دل کہاں جا کے اپنا بہلائیں

ظلم کی تیرے کوئی حد بھی ہے
رحم کی تجھ میں کوئی مد بھی ہے

ظلم بھی ہوتے جور بھی ہوتے
تیرے چکر بھی دور بھی ہوتے
بے وفائی کے طور بھی ہوتے
تختۂ مشق اور بھی ہوتے

کیا اسی سرزمیں کو دیکھ لیا
تو نے ظالم ہمیں کو دیکھ لیا

اے دل مضطرب بس اب چاہوش	اس قدر چاہیئے نہ جوش و خروش
ہوش میں آ ذرا نہ ہو بیہوش	سن تو آتی ہے کیا ندائے سروش

کفر کا سلسلہ نہ ہو جائے
شکر کی جا گلہ نہ ہو جائے

مانگ اللہ سے جو ہی مطلوب	مانگنا اُس کو ہی بہت مرغوب
عجز بندے کا ہی اُسے محبوب	نہیں ہوتا دیا ہوا محسوب

مانگنے والا ہو زمانے میں
کیا کمی ہے وہاں خزانے میں

بھائیو ہاتھ اُٹھاؤ پھر دعا	کہو اللہ سے مرے مولا
تجھکو معلوم حال ہے دل کا	ڈوبی جاتی ہے ناؤ پار لگا

خاکساروں پہ سخت مشکل ہے
تھک گئے اور دور ساحل ہے

نام لیوا ہیں تیرے ہم یا رب	چاہیے ہمپہ اب کرم یا رب
سہ نہیں سکتے رنج و غم یا رب	تیرے ہی ہاتھ ہے بھرم یا رب

فرض یہ ایک دن ادا ہونا
جانتے ہیں کہ ہے فنا ہونا

ہیں مصیبت میں موردِ آفات	بات بنجائے کیا بڑی ہے بات
تو سخی ہے کریم ہے تری ذات	چاہیئے کچھ تلافی مافات

وہ دئیے ہیں تو سو عنایت ہوں

باعث فخر قوم و ملت ہوں

ہم بھی کھوے ہوؤں کو پاتے جائیں
شبلی و حالی روز جاتے جائیں

ہم بھی دل کی لگی بجھاتے جائیں
اور اُن کی بجائے آتے جائیں

مے پُرانی ہو تو ہو ساقی
تا ابد سلسلہ رہے باقی

کبریا اپنی کبریائی سے
اپنے طرز کرم نمائی سے

اور حضرت کی مصطفائی سے
اُن کے انداز ناخدائی سے

ڈوبنے والے ہیں نکال لے تو
گرنے والے ہیں ہم سنبھال لے تو

مرنے والوں کو باغ جنت دے
دونوں جانب ثبوت رحمت دے

اور پس ماندگاں کو ہمت دے
اُن کی عزت کر انکو عزت دے

خاکساروں کی آبرو ہو جائے
ہم ترے ہوں ہمارا تو ہو جائے

دین کے ساتھ ہمکو دے دنیا
رتبہ اعلیٰ ہو بات ہو بالا

ہو خطا پوش تیری چشم عطا
چرخ بے مہر کا ہو سر نیچا

کرم خاص عام ہو جائے
دور تک تیرا نام ہو جائے

غنچہ غنچہ رہے پھلا پھولا
دست گلچیں کا کچھ نہ ہو کھٹکا

بلبل خوشنوا ہو نغمہ سرا
غم صیاد بھی نہ ہو اصلا

داغ کی یہ دعا ہے رب جہاں
اس چمن میں کبھی نہ آئے خزاں

جناب بدر الحسن صاحب جلالی بدر مراد آبادی متعلم مدرسۃ العلوم علیگڑھ۔ نائب معتمد اعزازی انجمن ہذا

مرثیہ علامہ شبلی و مولانا حالی مرحومین

فلک تیری گردش یہ کیا کر گئی — قیامت کا عالم بپا کر گئی
جدھر دیکھئے عالمِ یاس ہے — وہ رونق ہی دنیا کی کم کر گئی
مذاقِ تلاشِ مقاصد عبث — کہ روحِ تمنا فلک پر گئی
ہے وجہ تغیر فسردنیِ غم — بدل فطرتِ دیدۂ تر گئی
سرِ بزم حسرت کی خندہ زنی — مرے زخمِ دل میں نمک بھر گئی
گئی رونقِ بزمِ ساقی کدھر — کہاں لذتِ دورِ ساغر گئی
نہ احساسِ حرکت نہ صبر و سکوں — عجب کشمکش دل میں گھر کر گئی
سدھاریں وہ ہنگامہ آرائیاں — کہ اب شورشِ قلبِ مضطر گئی
نہ یارائے گریہ، نہ ضبطِ الم — مگر دل کی اُلجھن غضب کر گئی

اُٹھا کر قیودِ رسومِ جہاں
ہوا عالمِ بیخودی کو رواں

نظر آیا چرخِ بریں سرنگوں — شفق سے گلے مل کے روتا تھا خوں
چٹانوں سے سر مارتی تھی صبا — ہویدا تھا آہوں سے سوزِ دروں
نسیمِ سحر خاک آلودہ تھی — سمائی تھی سر میں ہوائے جنوں
وہ شبنم کہ تھی زینتِ بوستاں — بنی گل کے اشکوں سے عنابِ گوں
اُجاڑا تھا بلبل نے سب آشیاں — ہلاتی تھی نالوں سے گردونِ دوں

لہو روئی چشمِ جہاں دیکھکر
خمستانِ ملت کی حالت زبوں
شکستہ خمِ راح و مینا تھی
رواں بادہ ساغر فتادہ نگوں
کہاں ہے وہ پیرِ مغاں بزم کا
کرم جس کے تھے ہائے حد سے فزوں

بہ پرسش بجا گر جگر خوں کنم
ز دل لیک یادش بدر چوں کنم

کیے ہم پہ کتنے زمانہ نے وار
سدا سے رہے ہیں ستم کے شکار
درخشاں تھا اوجِ فلک پہ کبھی
ہمارا بھی خورشیدِ عز و وقار
ہے تمہیدِ پستی کمالِ عروج
ہویدا ہوا بزم میں انتشار
پہ چھنی دفعتاً دولتِ قرطبہ
لٹی باغِ بغداد کی سب بہار
نہ کم پھر بھی جورِ فلک کچھ ہوا
کہ تھی کچھ ابھی جسم میں جانِ زار
ابھی رو چکے ہی تھے تھسلی کو ہم
کہ بھر آئی پھر چشمِ خوں نابہ بار
جو روندا سمند ان اغیار نے
مراکش کا سرسبزہ و مرغزار
بہت ہند والوں نے ماتم کیا
چھنا ملکِ قیزان کا جبکہ ہار

کبھی یاد آتی ہے رومیلیا
کبھی خوں رلاتی ہے مقدونیا

بس اب ختم شانِ حکومت ہوئی
کہن داستانِ مشیخت ہوئی
وہ شانِ جلالی ہی اک خواب سی
سحر ہو گئی رات رخصت ہوئی
سرِ میتِ عظمتِ ماضیہ
فقط نوحہ زن ایک حسرت ہوئی
کھلی آنکھ اس وقت جبکہ عیاں
سپیدیِ صبحِ قیامت ہوئی
وہ خودداریِ قوم ہستی کا راز
بھلائے ہوئے جس کو مدت ہوئی
ہوئے جب وہ پامال پائے عدو
تو ہیجانِ ملت کو حرکت ہوئی

اُٹھا ایک دہلی سے تفتہ جگر — جلو میں ایک اُس کے جماعت ہوئی
اُٹھا کر گری قوم کو خاک سے — یہ مجلس بھی دنیا سے رخصت ہوئی
نذیر اور مہدی کے ماتم میں پھر — بہت بارشِ اشکِ حسرت ہوئی

لٹی گرچہ دہلی کی دولت سہی
رہے ہم میں شبلی و حالی ابھی

وہ بحرِ بلاغت کا دُرِّ یتیم — یہ صبحِ مودّت کی موجِ نسیم
وہ کانِ فصاحت کا یکتا گہر — یہ گلہائے صدق و صفا کی شمیم
وہ دردِ جہالت کا ایک چارہ گر — یہ درمانِ زخمِ عنادِ سقیم
وہ سرِّ معانی کا عقدہ کشا — یہ رازِ اخوّت کا دانا حکیم
وہ میدانِ دانش کا تھا یکہ تاز — یہ بزمِ محبّت کا سچا ندیم
وہ ساقیِ خمخانۂ فلسفہ — یہ صہبائے سوزِ وطن کا قسیم
وہ تاریخِ عالم پہ اُس کا عبور — یہ اس کی روانی یہ طبعِ سلیم
وہ فخرِ فصیحی و نازِ علیؒ — یہ رشکِ ابان غیرتِ بو نعیم
اُدھر وہ مسیحائے جملہ علل — اِدھر یہ محی عظامِ رمیم
اُدھر شبلی اُسوۂ عالماں — اِدھر حالیِ صاحبِ صد نعیم

(ا۔ م۔ اکبر آبادی)

گئے ہائے دنیا سے منہ موڑ کر
سسکتی ہوئی قوم کو چھوڑ کر

نہ کی حالتِ قوم پر کچھ نظر — کہ ہے جاں بلب اب یہ تفتہ جگر
یہاں تک غلامی میں لاغر ہوئی — گراں ہے تنِ زار پر بارِ سر
کوئی سُننے والا جہاں میں نہیں — جتائے کسے اپنا دردِ جگر
ہے رِسنے پہ آمادہ زخمِ کہن — مگر خوابِ نوشیں میں ہے چارہ گر

کریں ترک اندیشۂ دہر کیا
کہ خود ناامیدی ہے موجب بار

یہ دیتی ہے پیغام حسرت اُسے
قریب آ گئی ہے اجل کی سحر

نہ تھا پاس کچھ اُسکے ملک و دیار
نہ مال و متاع و نہ دولت نہ زر

سہارا غریبی کا بس اک زبان
حکومت یہی تھی یہی مال و زر

مرے کاروانِ گزشتہ کی گرد
مری اُجڑی منزل کا ٹوٹا سا در

مرے باغِ ویراں کا نوخیز پھول
مرے بارآور شجرہ کا ثمر

نہ اس کو ملا دہر سے کچھ فراغ
دیا کمسنی میں یتیمی کا داغ

نہ کر اے دلِ زار آہ و فغاں
ہے صبر و رضا شیوۂ عاشقاں

شہیدِ محبت تو مرتے نہیں
رہے نام اُنکا ہے جب تک جہاں

وہ فاروقِ اعظم کا تاج سرا
یہ حبِّ وطن جس کی ایمان و جاں

وہ تاریخِ اسلام کا خوشہ چیں
یہ مرحوم سید کا جس میں بیاں

وہ شعر العجم جس کی تصنیف ہو
مسدس ہو جس کا وہ شیریں زباں

مٹیں یہ تو ممکن نہیں ہے کبھی
کریں لاکھ گردش زمین و زماں

مگر کھائے جاتا ہے یہ غم ہمیں
یہ شیدائے ملت ملیں گے کہاں

فقط آہ و زاری سے کیا فائدہ
اگر ہے جماعت میں حسن زیاں

ہیں موجود دونوں کے یاں نقشِ پا
چلیں چلنے والے یہ ہیں راہ نما

جناب محمد کبیر خاں صاحب رسا جالندہری متعلم مدرسۃ العلوم علیگڑھ

تلمیذ جناب سُہیل

نوحہ علامہ شبلی نعمانی

سیرِ دنیا سے طبیعت ہوگئی
زندگی تصویرِ عبرت ہوگئی

چشمہائے چشم ہیں دریا فشاں
اشکباری عینِ راحت ہوگئی

بھا گیا دل کو مذاقِ اضطراب
بے قراری اپنی فطرت ہوگئی

ولولے تاراجِ مایوسی ہوئے
آرزو پامالِ حسرت ہوگئی

جی نہیں لگتا ریاضِ دہر میں
بزمِ ہستی دشتِ وحشت ہوگئی

بے ثباتی ہائے عالم دیکھ کر
کیا کہوں کیا دل کی حالت ہوگئی

آرزوئے عیش و عشرت اک طرف
اب تو جینے سے بھی نفرت ہوگئی

زندگی جز نقشِ عبرت کچھ نہیں
ایک دھوکا ہے حقیقت کچھ نہیں

کیوں کریں سامان ٹھہرنے کے لئے
جب ہے دنیا خود گزرنے کے لئے

دیکھ کر غنچے کو یہ بولی صبا
ہے یہ شیرازہ بکھرنے کے لئے

ہے پریشانی مآلِ بوئے گل
رنگ چڑھتا ہے اترنے کے لئے

شمع جلتی ہے کہ گل ہو وقتِ صبح
آدمی جیتا ہے مرنے کے لئے

پل میں آ جاتا ہے حسنِ مہوشاں
دیر لگتی ہے نکھرنے کے لئے

بلبلے ٹوٹے تو یہ آئی صدا
کی عبث کوشش ابھرنے کے لئے

جائے عبرت ہے اگر دیکھے کوئی
کب ہے دنیا عیش کرنے کے لئے

دل وریں ویرانہ بستن خوب نیست
در سرا غافل نشستن خوب نیست

کیا کہیں دنیا سے کیا جاتا رہا
افتخارِ ایشیا جاتا رہا

ناثرِ جادو رقم رخصت ہوا
شاعرِ رنگیں نوا جاتا رہا

ہوگیا اب سرد بازارِ کمال — اہلِ فن کا مقتدے جاتا رہا
کہتی ہے اردو زبانِ حال سے — مجھ کو جس پر ناز تھا جاتا رہا
سیرۃ ختم الرسل لکھے گا کون — وہ فدائے مصطفےٰ جاتا رہا
عقدۂ معنی کرے گا کون حل — علم کا مشکل کشا جاتا رہا
کس کو ڈھونڈیں رہنمائی کے لئے — گمرہوں کا رہنما جاتا رہا

آہ جو کتنوں کو زندہ کر گیا
آج سنتے ہیں کہ وہ بھی مر گیا

گزرے ہیں لاکھوں مصنف اور دبیر — اپنے اپنے فن میں بے مثل و نظیر
جن کا اک اک لفظ تھا نشتر کدہ — جن کا اک اک حرف تھا مانندِ تیر
گلشنِ دنیا میں چہکے ہیں بہت — طوطیِ ہندوستاں کے ہمصفیر
اور ہونگے سیکڑوں پیدا ابھی — رشکِ فردوسی و سلمان و ظہیر
اور ابھی ہونگے مورخ اور حکیم — فخرِ طوسی و غزالی و جریر
اور ابھی ہونگے مفسر اور ادیب — غیرتِ جرجانی و ابنِ کثیر
پر نہ ہوگا کوئی شبلی کی مثال — جامعِ اصناف اوصافِ کثیر

آج دنیا بزمِ ماتم ہو گئی
مرگِ عالم موتِ عالم ہو گئی

بے بدل تحریر بھی تقریر بھی — زورِ استدلال بھی تاثیر بھی
اس کے اندازِ رقم کو کہتے ہیں — سحر بھی اعجاز بھی تسخیر بھی
آج اس کے ہجر میں ہیں نالہ زن — فقہ بھی تاریخ بھی تفسیر بھی
تھی لطافت شوخیِ مضموں کے ساتھ — وہ قلم تھا شاخِ گل بھی تیر بھی
شکریہ اس کے قلم کا آجتک — کررہی ہے روحِ عالمگیر بھی

وہ نہ تھا صرف ایک اہلِ علم و فن
خالِ روئے علم تھی تدبیر بھی
دہر میں ملتا نہیں اس کا نظیر
اگرچہ سرگرداں ہی چرخِ پیر بھی

محفلِ اسلام برہم ہوگئی
غم سے پشتِ آسماں خم ہوگئی

آہ رخصت ہوگیا وہ باکمال
جس کے مثلِ انساں ہوئے ہیں خال خال
فیلسوفِ کامل و شیدائے دیں
بیہقیِ ثانی و روشن خیال
شاعرِ ماہر ادیبِ سحرِ فن
عالمِ فاضل خطیبِ خوش مقال
منکسر اور اُس پہ خودداری میں فرد
ایک شاعر اور سیاست میں کمال
علم و فن کا پیکرِ عالم فریب
زہد اور ایثار کی سچی مثال
زندہ ہے شبلی کہ مر سکتا نہیں
جسکی تصنیفیں ہوں ایسی لازوال
مرحبا اے عاشقِ ختم الرسل
ہوگیا محبوب کا حاصل وصال

باورم ناید کہ شبلی مردہ است
رختِ خود در کوی جاناں بردہ است

ہوگیا تاراج باغِ علم و فن
لٹ گیا افسوس سیّد کا چمن
مہدی و شبلی و حالی و نذیر
بزمِ سید کے یہی تھے نورتن
اپنے اپنے رنگ میں سب باکمال
ناظم و ناثر ادیب و اہلِ فن
جا چکے تھے گرچہ مہدی و نذیر
تھے ابھی دو یادگارِ انجمن
ناگہاں شبلی گئے سوئے بہشت
چھوڑ کر دنیا کا یہ دار المحن
پھر تو حالی نے بھی لی جنت کی راہ
اب یہاں تھا کون اُن کا ہم سخن
اس مصیبت پر نہ روئے قوم کیوں
آج برہم ہوگئی بزمِ کہن

چل دئے سب دہرِ فانی چھوڑ کر
اُٹھ گئے اپنی کہانی چھوڑ کر

جناب ابو البیان محمد رضا صاحب رضاؔ اولڈ بوائے

مدرستہ العلوم علیگڑھ

بپا آج کیوں شور ماتم ہے گھر گھر
یہ کیا تازہ آفت اب آئی ہے سر پر
زمانہ ہے کیوں نوحہ خوان و مضطر
دل و جاں میں برپا ہے کیوں شورِ محشر

زمانہ نے وہ داغ دل کو دیا ہے
کہ دنیا میں اندھیر چھایا ہوا ہے

رواں دونوں آنکھوں سے آنسو ہیں پیہم
بنے مرثیہ خواں دل و جانِ پُر غم
کیا دونوں ہاتھوں نے مل مل کے ماتم
مصیبت میں ہیں مبتلا دونوں عالم

جدا ہم سے ہیں ہائے شبلی و حالی
نہ پوچھو جو حالت ہے اب جان و دل کی

اگر ایک تھا مایۂ فضل و عزت
اگر ایک تھا خوش دل و صاف طینت
تو تھا دوسرا افتخارِ فضیلت
تو تھا دوسرا معدنِ حسنِ خلقت

جو شبلی سے تھی رونق بزم دنیا
تو حالی بھی تھا وجہ عزت جہاں کا

ریاضِ جہاں میں اگر گل تھا شبلی
جو تھی ایک سے اپنے دل کو تسلی
تو حالی تھا اس گل کی بو بھینی بھینی
تو راحت تھی دوسری ذات جاں کی

غرض دونوں جانانِ جانِ جہاں تھے
وہ دو ایک سے ایک جادو بیاں تھے

کہاں روٹھ کر ہم سے اب جا بسے وہ
خفا ہو کے ہم سے کدھر کو گئے وہ

بجئے جب تلک قوم ہی کے رہے وہ	مرے بھی تو اب قوم ہی پر مرے وہ

نہیں قوم میں ہائے شبلی و حالی
بس اب قوم تیرا ہے اللہ والی

جناب صفی لکھنوی

(نقل گرامی نامہ)

میرے معزز کرم فرما جناب معتمد صاحب۔

خدا آپ کو خوش رکھے۔ عنایت نامہ بہ طلب نحیف وصول ہوا۔ منت پذیر ہوں میرا خود جی چاہتا ہے کہ اس مبارک موقع کو ہاتھ سے نہ دوں، اور قومی باغیچہ کی سیر سے نشاط اندوز ہوں۔ مگر بندگی و بیچارگی تعلقاتِ ملازمت سے سخت مجبور ہوں۔ ۱۳ فروری کو تعطیل نہیں ہے۔ اگر اجازت مل سکی تو حاضر ہونے کی کوشش کرونگا۔ اور تار کے ذریعہ سے اطلاع دونگا۔ ورنہ اُمید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ اگر ہوسکا تو اپنا مرثیہ و غزل روانہ خدمت کردونگا۔ فقط

خیر طلب

صفی۔ عفی عنہ۔ ۷ فروری ۱۹۱۵ع

"مرثیہ مولانا حالی مرحوم" موسوم بہ "شمع و گل"

اس بزم میں آکے جانے والا	پھر جاکے ادھر نہ آنے والا
کھونڈوں کو گھڑی سنانے والا	اے قوم ترا جگانے والا

خاموش لحد میں سو رہا ہے
اور اُس کو زمانہ رو رہا ہے

سعدی۔ عطار اس صدی کا
طینت میں اثر نہ تھا بدی کا
دل آئینہ عشق سرمدی کا
پتلا خلق محمدی کا

تھا حسن عمل سے جس کو رشتہ
قالب میں بشر کے اک فرشتہ

سلطانِ قلمروِ خیالی
اقلیم سخن کا باب عالی
بے مثل مثالِ بے مثالی
شمس العلما جناب حالی

ذی عزت و خواجہ گرامی
الطاف حسین نام نامی

کس بحر سخن کا آگیا نام
بے تاب ہیں مدّ و جزرِ اسلام
وہ نظم مسدس ابرِ الہام
بارانِ گہر کی ریزشِ عام

راتیں نذرِ سخنوری کیں
سوکھی ہوئی کھیتیاں ہری کیں

تھی قوم سے الفت انتہا کی
قومی نظموں کی ابتدا کی
آرائشِ نقشِ مدعا کی
رحمت مرحوم پر خدا کی

دل میں حالی زباں پہ حالی
حالی کی جگہ مگر ہے خالی

کامل تھا کمال اپنے فن میں
رخ شمع تھا دورِ انجمن میں
سید احمد کے نورتن میں
یوں جیسے زبان ہو دہن میں

تھا فرد یہ منتخب نگینہ
مصباح علوم جس کا سینہ

سنجیدہ کلام نغمہ راز
اندوہ ربائے طبع ناساز

سیدھا سادہ وہ اُس کا انداز ۔ تھا سحرِ حلال بلکہ اعجاز
پھونکی وہ سخن میں اک نئی رُوح
زندہ ہوئے پھر قلوب مذبوح

قومی مرضا کا چارہ گر تھا ۔ ہر نسخۂ نظم زود اثر تھا
بے راہہ رووں کا راہبر تھا ۔ بحرِ مواج تھا جدھر تھا
اللہ رے طبع کی روانی
پتھر ہوتا تھا جس سے پانی

قومی نظموں کا خاص اُستاد ۔ ڈالی یہ اُسی نے پہلی بنیاد
پائی تھی طبیعت خدا داد ۔ اک طرز کیا مفید ایجاد
ایسے شعرا جہاں کہیں ہیں
خرمن سے اُسی کے خوشہ چیں ہیں

راہیں وہ دکھا گیا ہے ہم کو ۔ نغمے وہ سُنا گیا ہے ہم کو
نسخے وہ بتا گیا ہے ہم کو ۔ نکتے وہ سوجھا گیا ہے ہم کو
ہم سب ہیں مقلد اور وہ موجد
فرزانہ معلّم و مجدّد

مرحوم تھے یادگارِ غالب ۔ تلمیذ وفا شعارِ غالب
دم سے اُن کے بہارِ غالب ۔ روشن شمعِ مزارِ غالب
بے بادہ ہوا ایاغ افسوس
گُل ہوگیا اب چراغ افسوس

بحرِ ہستی کے پار پیراک ۔ پانی پت میں ہی اُڑ رہی خاک
چکر کھایا کریں اب افلاک ۔ ملتا ہے کہیں وہ گوہرِ پاک

لیتا ہے زمانہ آہ جیسے
دیتا نہیں کیا ستم ہے ویسے

وہ حصرِ ادب ادیب مشاق
یکتائے زماں وحیدِ آفاق
فرخندہ سیر طبیب اخلاق
گر نظم میں فرد نثر میں طاق

پاکیزہ خیال پاک طینت
جس بزم میں ہو وہاں کی زینت

ختم اس پہ تھی واقعہ نگاری
ہر گوشہ میں فیض اس کا جاری
تھا نظم میں لطفِ نثر عاری
ہر کشت رہینِ آبیاری

اندوہ رُبا نشاطِ اُمید
ہمت افزا حیاتِ جاوید

پایا تھا دماغ شاعرانہ
ڈھونڈھا کرتا تھا اک بہانہ
نبّاضِ طبیعتِ زمانہ
سعدی ہی کا لکھدیا فسانہ

کہتے ہیں جسے حیاتِ سعدی
مجموعۂ واقعاتِ سعدی

دنیا کا یہی ہے عام دستور
سیّد کے جو نورتن ہیں مشہور
ہم بزم ہوں رفتہ رفتہ سب دور
جن میں اک فرد ذات مغفور

سب نذرِ اجل ہوئے وہ گوہر
دکھلا گئے اپنے اپنے جوہر

جو کچھ آثار جا بجا ہیں
اگلے پچھلوں کے رہنما ہیں
ان پیش رووں کے نقش پا ہیں
ہم آج نہیں تو کل فنا ہیں

پایا ہے اگر دماغ روشن

اگر جاؤ کوئی چراغ روشن

سرسید پاک دل خوش انجام
محسن کا یکتا تھا کر گیا نام
مرقد میں جو اب ہے محوِ آرام
دل سے جو کیا تو بن پڑا کام

ویسے ہی تمام ہمنشیں تھے
جو خاتمِ قوم کے نگیں تھے

تھا میکدہ جس جگہ وہیں ہے
ساغر ہے کہیں سبو کہیں ہے
لیکن پیرِ مغاں نہیں ہے
دل ورطۂ غم میں تہ نشیں ہے

قومی وہ جہاز سارے ڈوبے
ڈوبا چاند اور تارے ڈوبے

ہر چند سبھی یہ نامور تھے
آزادہ روی کے راہبر تھے
رفتار جہاں سے باخبر تھے
گویا کہ چراغِ رہگذر تھے

خواجہ لیکن سبھوں میں گل تھا
پانی تھا مزاج صلحِ کل تھا

تھی باغ و بہار ذاتِ خواجہ
بے خار صفی صفاتِ خواجہ
دلکش چمنِ حیاتِ خواجہ
سُنکر خبرِ وفاتِ خواجہ

نظماً سرِ قبرِ آنجہانی
کی نخلِ قلم نے گل فشانی

تیرے محسن کے غم میں اُردو!
دل پر نہیں اہلِ دل کا قابو
کھولے ہی سوادِ نامہ گیسو
ہم بھی غمگیں ہیں جس طرح تو

ہر جزو میں سوز و ساز کل ہے
یہ نظم صفی کہ شمع و گل ہے

ہر دل پہ وہ نقش بندِ انشا تھا ملک میں زور شور جس کا	اٹھا سکہ بٹھا کے اپنا سوکھا وہ سخنوری کا دریا

ہستی کیا تھی سراب تھا ایک
ہر نقش خیال خواب تھا ایک

مرحوم کا خاندانِ دل ریش اک دن یہ سفر ہے سب کو درپیش	لے صبر سے کام اب کم و بیش پابند آزاد شاہ درویش

رہنے کا نہیں کوئی ہمیشہ
ہے بیخ کن اس اجل کا تیشہ

دل خون کیا جب اس خبر نے دل سے درخواست کی جگر نے	آنسو برسائے چشم تر نے لکھی یہ صفیؔ نوحہ گر نے

تاریخ وفات خواجہ حالیؔ
ہستی حالیؔ سے حیف خالی

(۱۳۳۳ ھ)

جناب سید علی عباس صاحب عباسؔ سہارنپوری متعلم مدرسۃ العلوم علیگڑھ

(مرثیہ مولانا حالی مرحوم)

ساقیِ مہوش، یہ عشرت خانہ کیوں خالی ہے آج پھول سی مے اشکِ غم کی طرح کیوں میلی ہے آج	میکدہ میں کیوں اُداسی کی ہوا پھیلی ہے آج بہرِ ساغر ہر نفس کیوں لطمۂ سیلی ہے آج

ساغر و مینائے مے اس درجہ کیوں بیگانہ ہیں
کیوں حبابِ آتشیں چشمک زنِ پیمانہ ہیں

شعرِ آتش ہی دامن اشک آتشناک سے
دل مشوش ہجر کے آلام ہیبت ناک سے
جائے گوہر لعل پیدا دیدۂ نمناک سے
مضطرب جاں خود ہی اندوہِ مصیبت ناک سے

شمع ساں ہر استخواں گریاں بھی ہی سوزاں بھی ہے
جو لگی ہی دل کو وہ پیدا بھی ہی پنہاں بھی ہے

نکہتِ گل ہی کہاں جب گل ہی خود پژمردہ یوں
کیوں ہوائے بال و پر جب ولولہ ہے مردہ یوں
خوشدلی کیسی کہاں کی دل ہی جب افسردہ یوں
یاوری دشمن کیا جب بخت ہی آزردہ یوں

ان نصیبوں کو نصیب اپنی کہیں کیونکر کہیں
اپنی بربادی کو خود اپنی کہیں کیونکر کہیں

تفرقہ پردازیوں میں چرخ کیسا فرد ہے
جوف بہر خنگ غم اک معرضِ نادرد ہے
داغ ہیں عاشق صفت دلیں دی کیا درد ہے
پرسشِ الطاف کا بازار اس کا سرد ہے

اپنے آوارہ مصیبت پر یہ خود روتا بھی ہے
داغِ دل حرماں کشوں کے دل سے خود دھوتا بھی ہے

رخصت اے صبر و شکیبائی کہ جاں پر آبنی
یک نظر او چرخِ مینائی کہ جاں پر آبنی
تا بکے آلام افزائی کہ جاں پر آبنی
یہ یکایک دل میں کیا آئی کہ جاں پر آبنی

ملک نظم و نثر کا صد حیف والی مر گیا
چاک داماں ہر کس و ناکس ہی حالی مر گیا

بیخودی ہی چھوڑ لینگے سر کو دیوانے ترے
ہونگے منت وار بیکاری کے پیمانے ترے
وِرد ہونگے دیر تک رندوں کو افسانے ترے
منظرِ عبرت فزا ہونگے یہ میخانے ترے

خوب کب معلوم ہوگے بن ترے صہبائے نظم
بے طرب معلوم ہوگے بن ترے صہبائے نظم

چشم پرخوں زیر بارِ منتِ داماں نہو
ہستیِ موہوم میں نذرِ غمِ ہجراں نہو

خاطرِ مغموم یوں وارفتۂ ارماں نہو		حزن کی آتش میں جل کر درد کا درماں نہو
	محفلِ رنگیں میں پروانہ کی جویا شمع ہے بیقراری تیشۂ نظارگی شمع ہے	

جناب عزیز لکھنوی

(نقل والا نامہ)

مکرمی تسلیم۔

گرامی نامہ پہونچا۔ منت پذیر یاد آوری ہوں۔ نہایت افسوس سے عرض کرتا ہوں کہ اس صحبت میں بوجہ ایک ضرورت خاص کے شرکت سے معذور ہوں۔ آمید ہی کہ آپ قبول فرمائیں گے۔ کیا مرثیہ بھی طرح مقررہ میں نظم ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہو تو میں نے ایک مرثیہ کہا ہی۔ آپ کی خدمت میں بھیجدونگا۔ والسلام

عزیز نخاس صدر لکھنو۔ ۱۵/۲ ۹

غروب شمسین

مرثیہ شمس العلما مولانا شبلی نعمانی و شمس العلما مولانا حالی

کیا ہے یہ نظم عالم فانی؟		چند ذرات کی پریشانی
حدِ فاصل خرابۂ ہستی		نقشِ باطل وجودِ انسانی
میری مٹی بھی ہوگئی برباد		ہے کفِ خاک عالم فانی
ہے ازل سے سفینۂ ہستی		متلاطم بزورِ طوفانی
شام کب تک لباسِ غم پہنے		صبح کب تک کرے گریبانی
جلوہ افروز ہو ہزار دل سال	ق	لاکھ دکھلائے اپنی تابانی

خشک ہو جائیگا ضرور اک دن
چشمۂ آفتاب کا پانی

ہو گئے نقشِ سیمیائے فنا
حکمائے فرنگ و یونانی

کیا ہوئے وہ جنھوں نے اے دنیا
کی تھی بزمِ ادب میں حسّانی

ہرزہ گوئی ہے لافِ دانائی
شیخ ہو یا معلّمِ ثانی

نظری بدیہی الانتاج
یہ طلسمات شکلِ جسمانی

کیا ہی ترکیب عالمِ اجسام؟
امتزاجِ عناصرِ فانی

زندگی کیا ہے؟ موت کی تمہید
موت کیا ہے نشاطِ روحانی

اک سرا ہے یہ قالبِ خاکی
اک مسافر ہے روحِ نفسانی

اُس کے صحرا کا ایک ذرّہ ہے
جس کو سمجھے ہیں عالمِ فانی

دیکھکر رنگ مجلسِ دنیا
بڑھتی جاتی ہے دل کی حیرانی

اک نظر بندی توہم ہے
تختِ کسرا و تاجِ خاقانی

اے فریبِ زمانۂ غدار
اللہ اللہ یہ فتنہ سامانی

اتنی تعجیل قتل کرنے میں
تو نے صورت بھی تو نہ پہچانی

ہاں مٹا دے مگر یہ یاد رہے
ہوگی انجام میں پشیمانی

جوش زن ہر طرف بیاباں ہے
اُف میرے غم کدے کی ویرانی

چند ذرّے سے مُشابہ دل
مدتوں میں نے خاک جب چھانی

وہ حریصِ بیانِ اجمالی
سرگزشتِ عزیزِ طولانی

دل افسردہ کیا سُنا تو نے
نہ وہ لو ہے نہ وہ غزل خوانی

بس کر اے جوشِ گریۂ فرقت
اب تو سر سے گزر گیا پانی

کن نگاہوں سے اہلِ فن دیکھیں
آج دار الادب کی ویرانی

کیا جئے تھے یہ داغ اٹھانے کو
کھل گئی اب تو یہ گراں جانی

میرا مطلب بتانا ہے شبلی سے ۔ علم و فن کی ہے مرثیہ خوانی

جس پہ زیبا لباسِ غزالی ۔ جس پہ شایاں کمالِ شروانی

نازشِ عہدِ حال و استقبال ۔ مفخرِ دودمانِ نعمانی

اُس کی صورتگری کے آگے ہیچ ۔ سست رفتار خامۂ مانی

اُس کے زورِ قلم سے کیا نسبت ۔ لاکھ دریا دکھائیں طغیانی

لذتِ قندِ پارسی سے بڑھی ۔ اُس کے خوانِ ادب پہ مہمانی

ہم میں اور اُس میں فرق اتنا ہے ۔ وہ ہے آزاد ہم ہیں زندانی

رات دن ہم ہیں اور غمِ شبلی
دلِ بے تاب و ماتمِ شبلی

اُس سے وابستہ اس طرح تھے علوم ۔ جس طرح سے ہوں لازم و ملزوم

اک زمانہ وہ تھا کہ دنیا میں ۔ ہر طرف علم و فضل کی تھی دھوم

بادۂ ناب جوش زن جس میں ۔ تھا ہر اک دل صراحیِ مختوم

علم کی ہر طرف حکومت تھی ۔ تھے کمربستہ اہلِ دل محکوم

ایشیائی علوم کی شمعیں ۔ جلوہ افروزِ بزم مثلِ نجوم

یا وہ عالم ہے اب کہ محفل میں ۔ شمع خاموش بیکسی کا ہجوم

آہ کب یہ سفر ہوا درپیش ۔ جب تھا قحط الرجال و قحطِ علوم

ہند اے ہندِ بختِ برگشتہ ۔ یہ نحوست تری یہ طالعِ شوم

ضبط کرنا نہ اشکِ طوفاں خیز ۔ ڈوبتے ہیں ترے فلک کے نجوم

ایسے افراد اب کہاں ہونگے ۔ ایسے لوگوں کی خلقت اب معلوم

آہ اے ہستیِ فنا تعبیر ۔ خوب سمجھے تھے وہ ترا مفہوم

اُن افاداتِ گوہر افشاں سے ۔ ہو گیا ملک دفعتاً محروم

باغ ویران ہوگیا سارا — آہ کیسی چلی یہ بادِ سموم
ہم کو رونا ہے اپنی قسمت کا — واہ رے بخت واہ رے مقسوم
ہوگئے وہ تو بند غم سے رہا — ہم ہیں وابستۂ قیود و رسوم
تا کجا چرخ کھائیگا اے چرخ — تا کجا دل پہ یہ غموں کا ہجوم
کچھ تو دل کو سکون لینے دے — اے کرُے اک ذرا ٹھہر کر گھوم
حد بھی ہے کوئی ان مظالم کی — مٹ نہ جائے یہ ہستیِ مظلوم
زہر میں کیا بجھی تھی تیری نگاہ — جاں بلب ہوگیا دلِ مسموم
یہ صفاتِ رکیک اے گردوں — تیرے اخلاق میں نہیں مذموم
صبر کب تک کریں مصائب پہ — ہم نہیں اے فلک کوئی معصوم
چشمۂ علم ہوگیا نایاب — تشنۂ آبِ تیغ ہے حلقوم
ہونگے پیدا کہاں اب ایسے لوگ — ایک امید وہ بھی ہے موہوم
سعدیِ عصر حالیِ مغفور — اوحد الدہر شبلیِ مرحوم
تھا وہ اک شاعرِ گرانمایہ — تھا یہ اک عالمِ فنون و علوم
ایسے امثال فائقہ نایاب — ایسے افرادِ کاسبہ معدوم
درخورِ مدح اُس کی تصنیفات — قابل الذکر اُس کے فیضِ عموم
سچ ہے مردہ پسند ہے دنیا — ہے ازل سے زمانے میں مرسوم
قدر کی ملک نے مگر کم کی — تھے وہ بیشک جواہر مکتوم
عمر بھر قوم کے رہے خادم — جب ہوئے جاکے خلق میں مخدوم
کیوں پلٹ کر بھلا وہ آئیں گے — جب نہیں ہے اعادۂ معدوم
سن کے یہ واقعات عبرت زا — کون ایسا ہے جو نہیں مغموم
گوہر اشک دیدۂ خوں بار — رشتۂ نظم میں ہوئے منظوم

سالِ تاریخ پر ہے ختمِ سخن	ہے دلِ قوم پر ہجومِ غموم

شمعیں افسردہ، بزم ہے خالی
غمِ شبلی بماتمِ حالی
(۱۹۱۴ء)

جنابِ فضل رزاق صاحب علوی فضل میرٹھی متعلم مدرستہ العلوم علیگڑھ

(وفات شبلی نعمانی)

قلم کے لب پہ الم سے ہے نالہ و افغاں ۔ کہ آج سرخیِ مضموں میں خونِ دل ہے رواں
رگیں بدن میں دواں ہیں کہ تارِ برقِ ہے ۔ تپ دروں کے اثر سے ہے جان برقِ تپاں
قلم کا قلب دو پارہ ہے بین میں کس کے ۔ یہ کیوں ہے چشمِ ترقی میں اشک کا طوفاں
بیانِ شان میں کس کی قلم ہے عجز رقم ۔ تپاں ہیں ہجر میں کس کے یہ حسرت و ارماں
یہ کون یوسفِ مصرِ علوم بچھڑا ہے ۔ کہ ہر عزیز ہے دردِ فراق میں گریاں
ہر ایک بات میں جسکی نبات تھی گویا ۔ ہیں اسکے شورِ جدائی میں تلخ کام دہاں
وہ باغِ علم کا مالی وہ نخل بندِ ہنر ۔ کہ جس کے دم سے ہرا تھا کمال کا بستاں
وہ جس سے گلشنِ تصنیف لہلہایا تھا ۔ سحابِ علم سے تھا جس کے فیضیاب جہاں
روش کو علم کی جس نے کیا یہ آئینہ ۔ کہ اس سے چشمِ سکندر بھی ہوگئی حیراں
ہر ایک سانس تھا اس کا نسیمِ علم و ہنر ۔ ہر ایک لفظ تھا اس کا شگوفۂ خنداں
مورخانہ وہ رکھتا تھا طرزِ استدلال ۔ کہ جس کو دیکھ کے ہوتے ہیں جان و دل قرباں
ہوا تھا ہم میں وہ ایسا مورخِ بےمثل ۔ کہ جس کا ہند میں دیکھا نہ تھا نظیر و نشاں
جنابِ عالمِ فاضل شہیرِ ہند و عرب ۔ شمیمِ زہد و عبادت وہ شبلیِ دوراں
معینِ رائے رزینِ جنابِ سرسید ۔ انیسِ خاص و رفیقِ شفیقِ بےپایاں
بنے وہ ہمدم و ہمراز جان و دل باہم ۔ غرض وہ جسم تو دو تھے مگر رہے اک جاں

فدائے قوم ہے ترک چاکری کر کے — کیا تھا خدمتِ ندوہ میں وقف جسم و جاں
ہزار حیف کہ ایسا مربیِ یکتا — کہ جسکے فیض سے تھا فیضیاب ہندوستاں
وہ دیکھے داغِ جدائی ہوا ہے جو راہی — ہوا ہے چاک گریبانِ قوم تا داماں
نظیر قوم میں اُس کا نہیں رہا صد حیف — اسکی دل میں ہے حسرت اسکا ہے ارماں
دعاے رحمت و غفراں ہے قوم پر لازم — فدائے قوم کا مسکن ہو روضۂ رضواں

خدا کرے کہ رہے فضلِ حق میں وہ دائم
ہو اسکی روحِ مطہر پہ رحمتِ رحماں

جنابِ مولوی محمد مبین صاحب عباسی کیفی چریاکوٹی

(ماتم شبلی)

آہ اے قسمت کہاں تک غم کریں — اے اجل کس کس کا ماتم ہم کریں
پھونک ڈالیں ضبطِ گریہ سے جگر — اپنے آنسو اپنے حق میں سم کریں
آہ کے نشتر سے چھیڑیں زخم دل — اس کو کیا شرمندۂ مرہم کریں
میری سی تجھ کو بھی ہے ہمدم لگی — تو کہے فریاد و نالے ہم کریں
میرے سودے کا بھی ہے اک علاج — قتل ابنِ حضرتِ مریم کریں
رفتہ رفتہ جا رہا ہے پاسِ صبر — یعنی نالے ورد میں کم کم کریں
اشک نکلیں دم مگر روکے ہوئے — دل کے طائر کو اسیرِ دم کریں
لاشۂ دل کا کرینگے شست و شو — اشک کو آبِ چہِ زمزم کریں
ساکنانِ عرش بابت صبر کے — آؤ اب کچھ مشورے باہم کریں
اشک سے قسمت کی دامن تر کریں — رات کو شرمندۂ شبنم کریں
اے گریباں ہو ابھی افشائے راز — دستِ وحشت کو اگر محرم کریں

لاگ ہیزم سے ہمیشہ آگ کو — دل میں کیسے درد کو مدغم کریں
چھپ گیا نیچے زمیں کے آفتاب — اب بپا ہم حشر کا عالم کریں
اِنَّ موت العالِم ہے شر خیز — مولوی شبلی کا یعنی غم کریں
رو چکے ہیں مرنے والوں کو بہت — ہائے اُن کا کس طرح ماتم کریں
لختِ دل سے ہاں نکالیں گے بخار — دیدۂ دل کو اگر ہم نم کریں
شمعِ علم و ہنر گل کر دیا — شکوہ کیا اے صرصرِ برہم کریں
سیرۃ نبوی کا اب ہی خاتمہ — کیوں نہ غم پیغمبرِ اکرم کریں
آدمیت کا مزا جاتا رہا — فخر کس پر حضرتِ آدم کریں
نثر میں نعمان و سلمان نظم میں — کس کے آگے سر کو اپنے خم کریں
اس طرح تعلیم میں روشن ضمیر — ایک دم میں دل کو جامِ جم کریں
والدِ مرحوم کے تھے جانشین — آج ان دونوں کا ہم ماتم کریں
اہلِ عالم آؤ غم کے جوش میں — اک نیا محشرستاں قائم کریں
ہاتفِ غیبی سے کیفی نے کہا — فکر کچھ تاریخ کی باہم کریں
بولا وہ گل اب چراغِ ہند ہے — ہے بہت ہی کم جہاں تک غم کریں

۳۳ ھ ۱۳

جناب سید صفی اللہ صاحب مضطر رئیس گلاوٹھی ضلع بلند شہر

(اظہارِ غم۔ وفات حضرت مولانا حالی مرحوم)

جب سے میں نے خبرِ گرم یہ سن پائی ہے — کہ جوانانِ علی گڑھ نے یہ ٹھہرائی ہے
آئیں سب اہلِ سخن۔ جمع ہوں احباب بہم — مجلسِ نوحہ گری ہو۔ غم شیدائی ہے
کیسا مجمع ہے یہ کیا انجمن آرائی ہے — صورتِ غم ہی عیاں سنے ہی نہ شہنائی ہے
مجلسِ گریہ و زاری ہے غم حالی میں — چشم خونبار ہے۔ میرا دلِ شیدائی ہے

حال بے حال ہے۔ حالی نے قضا پائی ہے | قوم کے سر پہ قیامت کی بلا آئی ہے
عمر ساری تو ہوئی قوم کی خدمت میں تمام | پاؤں پھیلائے ہیں اب چین کی نیند آئی ہے
جس کی نظموں کا اثر ولولہ انگیز رہا | جس کی اشعار میں گہری ہوئی بن آئی ہے
جس کے الطاف نے زندہ دلِ مسلم کو کیا | اُسی الطاف کا غم ہے شبِ تنہائی ہے
دل میں اک درد ہے سینہ میں تپش ہے ہر دم | کیا کہوں میں غمِ فرقت میں جو پیش آئی ہے
قوم بسمل ہے تڑپتا ہے دلِ زار اُس کا | غم و اندوہ و مصیبت کی گھٹا چھائی ہے
آپ کی یاد سے مضطر ہوں جنابِ حالی | چشم پُر نم ہے طبیعت مری بھر آئی ہے
حکم خالق میں بجز شکر کے چارہ کیا ہے | ہاں مگر ضبط و تحمل ہے شکیبائی ہے
فضلِ باری سے ہوئے خلد میں داخل حالی | حُسنِ اعمال کی خالق سے جزا پائی ہے
سوز و غم ہی تھا جو مضطر نے لکھایہ ورنہ | شاعری اُس کی نہ جدی ہے نہ آبائی ہے

والانامہ عالیجناب چودھری خوشی محمد خاں صاحب ناظر بی اے (علیگ)
معہ مرثیہ مولنا حالی مرحوم

سری نگر کشمیر ۹ فروری

مخدوم و مکرم زاد الطافکم

تسلیم و نیاز۔ گرامی نامہ مع رقعہ دعوت پہونچا۔ جس محبت آمیز اور دل آویز پیرایہ میں یاد فرمایا گیا ہے اُسکا شکریہ کسی طرح سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اگر ممکن ہوتا تو میں ضرور حاضر ہوتا۔ مگر برف کے پہاڑ راستہ میں حائل ہیں اور یہاں جسد عنصری سری نگر سے علیگڑھ پہونچنا ممکن نہیں۔ ہاں معراج روحانی ممکن ہے۔ اور اس کے واسطے جد و جہد کی گئی ہے۔ عنایت نامہ پہونچنے سے پیشتر میں نے مولنا حالی کا مرثیہ لکھنا شروع کیا تھا مسدس حالی کی بحر میں (نہ اُٹھی صدا نجد سے عاشقانہ + مگر قیسِ عامر وطن میں نہیں) ابھی تمہیدی بند لکھا تھا کہ آپکا رقعہ دعوت پہونچا۔ مصرع طرح دیکھکر مجھے خیال ہوا کہ یہ طرح مرثیہ کے واسطے تجویز کی گئی ہے۔ اگرچہ اس پابندی کی وجہ سے سمندِ فکر

کو بہت سے چکر دینے پڑے مگر بقول آزردن دلِ دوستاں جہل است اسی چکر پھیر میں مرثیہ لکھا گیا۔ خاتمہ کے بعد جو رقعۂ دعوت کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ طرح غزل کے لئے تھی نہ مرثیہ کیلئے۔ بہرحال جو کچھ رطب و یابس لکھا گیا۔ ارسال خدمت ہے مناسب ہوگا کہ بروز دوم مراثی کے ساتھ اس کو پڑھا جاوے اور شرط لازم یہ ہے کہ اُس کا پڑھنا کسی ایسے موزوں طبع دوست کے سپرد کیا جاوے جنکی آواز میں سوز کا رنگ ہو اور سُر تار سے سرسری واقفیت رکھتے ہوں۔ اگر حدیقۃ الشعر کے کوئی نونہال میرے ابتدائی خیال کی تکمیل کردیں یعنی مسدس کی بحر میں مرثیہ لکھیں اور مولانا کے کلام کی اُس میں جا بجا تضمین کریں تو بہت مناسب ہوگا۔ افسوس ہے کہ کثرت کار کی وجہ سے مجھ سے کچھ نہو سکیگا۔ ایک پیغام بلبل مہجور کیطرف سے حدیقہ کے گل و یاسمن کی خدمتمیں پہونچا دیں اور وہ یہ ہے کہ میں نے ایک عرصہ تک اپنی سوسائٹی کے میلان شعر پر بہت غور کیا ہے اور اسکے عملی نتایج کو دیکھا ہے اور ایک بہت بڑی تعداد طباع اور قابل اشخاص کی دیکھی ہے جنکو شغل شعر نے دنیاوی جدوجہد سے روک دیا۔ اور بالآخر مجبور کیا کہ سفہا کی قصیدہ خوانی سے اپنا پیٹ پالیں۔ شعر کو شوق سے علیگڈھ میں ترقی دیں اور میرا تو عقیدہ ہے کہ شعر کیلئے جس کے کان نہیں اُسکا ایمان نہیں۔ مگر قوم کے نوجوانوں کا زیادہ انہماک اس فن میں مناسب نہیں شغل شعر کالج میں بطور تفریح طبع ہونا چاہئے۔ اگر شعر گنجفہ اور شطرنج کی جگہ لے لیں تو بہت مناسب ہے۔ مگر مقصد زندگی (   ) اسکو قرار نہیں دینا چاہئے۔ البتہ اس کلیہ سے وہ معدودے چند مستثنیٰ ہونگے جو مشرقی ادبیات کو زندہ کرنا چاہیں اور مشرقی السنہ میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں۔ اور اس ذریعہ سے آیندہ قوم کے خیالات پر اثر ڈالنے کی قابلیت رکھتے ہوں سرسید مرحوم پرانے مشاعرہ کو مع اُسکے ہزل و ہذیان کے تازہ کرنیکے مخالف تھے۔ اور اُمید ہے کہ آپ اس مخلصانہ گستاخی کی معافی بخشینگے۔ افسوس ہے کہ اوفیشل کام کی تگ و دو میں میں نے عجلت میں مرثیہ لکھا ہے۔ اور مولانا حالی کے مرثیہ کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوسکا۔ اگر مشاعرہ میں کچھ اچھے مرثیے پڑھے جائیں تو مجھے اُن کی نقول اُجرت پر کرا کر بذریعہ وی پی ارسال

فرمادیں۔ والسلام۔ آپکا **مخلص**۔ خوشی محمد خاں (علیگ) ناظر۔ گورنر کشمیر

(مرثیہ مولانا حالی مرحوم)

دل دیوانہ چلا بادیہ پیما ہوکر — ذرہ ذرہ نظر آیا مجھے صحرا ہوکر

اپنے خرمن کی خرابی کا کچھ احوال نہ پوچھ — برقِ سوزاں کا رہا روز تقاضا ہوکر

اپنے گلشن میں رہی نالۂ بلبل کی صدا — خندۂ گل کا کوئی روز تماشا ہوکر

ہائے حالی سے ہوئی بزم عزیزاں خالی — چھاگیا قوم میں ماتم شب یلدا ہوکر

اُسکے ماتم میں ہوئے مشرق و مغرب خونبار — ہرطرف نالوں سے بہنے لگے دریا ہوکر

فکر عالی تھی سدا عالم سفلی سے بلند — عرش پرواز رہا فرش پہ پیدا ہوکر

دردِ قومی سے مخمر تھی طبیعت اُسکی — حُبِ اسلام سے آیا تھا مہیا ہوکر

دلِ غمدیدہ سے اُٹھتی جو جگر سوز صدا — گونجتی قوم میں تھی رعد کا کڑکا ہوکر

بے گماں حالیِ مرحوم تھا سید منظوم — سیدِ قوم کا آیا تھا مثنیٰ ہوکر

دردِ قومی سے تڑپتے تھے جو دل میں شعلے — جلوہ افروز رہا سینۂ سینا ہوکر

چھوڑکر ناؤ کو منجدار میں پیارے خواجہ — چلدئے کشتی اسلام کے کھیوا ہوکر

بعد حالی کے نہیں کوئی دلوں کا والی
آئے تھے بزم میں یکتا۔ گئے یکتا ہوکر

بزم اعیان میں رہا آنکھ کا تارا ہوکر — قوم کا دلبر و دلدار و دل آرا ہوکر

غیر فانی ہیں ابد تک وہ نفوسِ قدسی — زندہ کرتے ہیں جو قوموں کو مسیحا ہوکر

اسکے رشحات قلم سے جو ہیں نہریں جاری — دشت و امصار میں پھیلینگی وہ دریا ہوکر

زندگی اُسکی کتابی تھی۔ شمائل ملکی — عیب سے پاک رہا خاک کا پتلا ہوکر

تھا بیاں اُسکا وہ سرچشمۂ صافی کہ سدا — آبِ حیواں سے آبلتا تھا مصفا ہوکر

نہ تکلف۔ نہ تصنع۔ نہ تعلی۔ نہ غلو — رنگ و روغن سے بری تھا رُخِ زیبا ہوکر

لغو و ہذیان سے مبرا تھا کلامِ حالی ۔ دور اسفل میں رہا ارفع و اعلیٰ ہوکر
تھی صدا خواجۂ حالی کی سرودِ افلاک ۔ حالِ گردوں جو وہ کہتا وہی ہستا ہوکر
تھا مجاز اُس کا حقیقت کی ضیا سے روشن ۔ بزمِ دنیا میں رہا مشعلِ عقبیٰ ہوکر
اُسکو ویرانیٔ ملت نے کیا ہی برباد ۔ گُل ہوا آہ! چراغِ رہ صحرا ہوکر

جنت الخلد میں یارب ہو مقامِ حالی
سائباں سر پہ رہے سایۂ طوبیٰ ہوکر

تذکرۂ بزمِ کہن کا نہ سُننا ہرگز ۔ "نہ سُنا جائیگا ہم سے یہ فسانہ ہرگز"
سید و حالی و شبلی و نذیر و مہدی، ۔ "اب یہ شکلیں نہ دکھائے گا زمانہ ہرگز"
سوگئے ہیں یہ بہت نالۂ شبگیر کے بعد ۔ "اب نہ ان نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز"
نہ وہ ساقی نہ وہ ساغر نہ وہ بربط نہ سرود ۔ "اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبانہ ہرگز"
چرخِ ظالم! جو عزیزوں کو مٹایا تو نے ۔ نقشِ پا ان کے نہ منزل سے مٹانا ہرگز
مرگِ حالی سے ہوا خاتمۂ محفلِ حال ۔ اب نہ سنئے گا وہ جاں بخش ترانہ ہرگز
اب نہ رونے میں ہے کچھ لطف نہ ہنسنے میں مزہ ۔ اپنے رونے پہ نہ غیروں کو ہنسانا ہرگز
پانی پت میں جو ہوا گنجِ حقیقت مخفی ۔ "دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز"
مرثیہ حالی کا حالی کی زباں سے لکھا ۔ اسکو تضمین دوبارہ نہ بنانا ہرگز
مرگِ حالی سے ہوا مطلعِ عالم تاریک ۔ یاس میں دل کا نہیں کوئی ٹھکانا ہرگز
تیرے جانے سے تو محشر ہوا برپا حالی ۔ ہم نہ کہتے تھے کہ محفل سے نہ جانا ہرگز
خواجہ! دل سے نہیں تجھکو تو بھلانا ممکن ۔ اپنے بندوں کو مگر بھول نہ جانا ہرگز

تابِ نظارہ نہیں اہلِ نظر کو ناظر
اب نقابِ رُخِ جاناں نہ اُٹھانا ہرگز

جناب اقبال احمد خاں صاحب سہیل اعظم گڈھی طالب علم مدرسۃ العلوم علی گڈھ

(نوحۂ شبلی)

جاے نشاط در چمنِ روزگار نیست
آہیست سرد جنبشِ بادِ بہار نیست

کو نالہ کہ داغِ جگر در نہاں نداشت
کو نوگُلے کہ چاکِ دلش آشکار نیست

خونیست تو بتو کہ گلشن نام کردہ اند
زہریست سر برون زدہ ایں سبزہ زار نیست

سنگست دیدہ گر نمِ اشکش نمی چکد
کوراست دل گرش نگہِ اعتبار نیست

زنہار چشمِ دل بفریبِ رُخش مدوز
دنیا عجوزۂ ایست عروسِ نگار نیست

بنیادِ کاخِ عمر بہ بادے نہادہ اند
آرے نہادِ باد تو دانی قرار نیست

درکار روا نسزا نتواں خانہ ساختن
خود ایں زمانہ چیست اگر رہگزار نیست

یارے گزیں خرابہ رود در غمش منال
کایں کاخ را اساسِ بقا استوار نیست

ابرو کشادہ دار بہ شیرین و تلخِ دہر
دانی کہ نوش و نیشِ جہاں پایدار نیست

نتواں چو جامِ عیش دریں خاکداں زدن
بر تلخیِ زمانہ نیرزد فغاں زدن

لیکن کنوں کہ سیلِ حوادث ز سر گذشت
باید ز شیونِ منِ بیچارہ در گذشت

بگذار تا بنالہ دل از غم تہی کنم
کارم کنوں ز سعیِ تو اے چارہ گر گذشت

بپذیر عذرِ تلخ نوائی زمن کہ باز
زہرآبۂ غمم ز گلو تا جگر گذشت

چوں کعبہ گر سیاہ بپوشیم می سزد
کاں نقشبندِ سیرتِ خیر البشر گذشت

آوارہ گشتہ گلہ و چوپاں بخواب رفت
در رہ بماند قافلہ و راہبر گذشت

آرے اگر دلت نگداز د بحالِ قوم
بارے ببیں چہ بر سرِ علم و ہنر گذشت

زیبد اگر فتد عَلَمِ علم سرنگوں
گز کشورِ کمال شہِ دادگر گذشت

نز ہتگہِ ہنر کہ بداں برگ و ساز بود
بازش نگہ کنید و مپرسید سر گذشت

ناصح بہ دجلہ باریِ مژگانِ ما مگیر
کایں گریہ نیست بہرِ عزیزے کہ بر گذشت

ما این فغان به بیکسی علم و فن کنیم
یا شیونی به زندگی خویشتن کنیم

دانشور یگانه به دار القرار شد — زیبد اگر جهان همه آتش سوگوار شد
باد سحر بماتم او آه می کشید — چشم ستاره در غم او اشکبار شد
دانشوران دهر بماتم نشسته اند — کز روزگار نادرهٔ روزگار شد
تا رخ نهفت ساقی خمخانهٔ علوم — آب بقا بکام خضر ناگوار شد
دردا که گنجدار معارف ز دهر رفت — واحسرتا که شبلی معجز نگار شد
ای جهل شاد باش که گیتی بکام تست — وای علم خون بشو که درونت فگار شد
آوخ اگر هیچ گنج بخاکش نهان کنند — کز وی هزار گنج نهان آشکار شد
گلزار دین که از نم کلکش بهار داشت — نی برگ مانده است که آن آبیار شد
عیسی دمی که جان به تن مردگان دمید — آخر چه شد که خود ز جهان برکنار شد

خلقی ز خواب وا همه هشیار کرد و خفت
بخت هنر به زمزمه بیدار کرد و خفت

دردا که وجه نازش اهل جهان نماند — آکان فخر عصر از ستم آسمان نماند
اکنون که جامه گوی نظیری نظیر مرد — در شیوهٔ سخن شرف هندیان نماند
یکتا گلی که باد بهار گذشته داد — آن هم کنون ز غارت باد خزان نماند
از سر بپاست ماتم رازی ابن رشد — کان یادگار دانش پیشینیان نماند
دردا که باز دامن اردو زبان تهی است — کلکی که بود شاخچهٔ گلفشان نماند
دریوزهٔ شرار غمی از کجا کنیم — کان دل که بود در غم ملت تپان نماند
آوخ! کجا روند و چه سازند و چون زیند — اکنون که خضر جادهٔ اسلامیان نماند
چرخ خمیده پشت چه جوئی نظیر او — کانیک گلی چو او سر این گلستان نماند
سیرت نشد تمام و دریغا که کس ز ما — شایستهٔ نگارش آن داستان نماند

تخمی فشانده بود برش بر نچید و رفت — شاخی نشانده بود بهارش ندید و رفت

ای شمع جمع فضل که از ما جدا شدی
ما را به غم گذاشته آخر کجا شدی؟

بیگانگان کمال تو نشناختند حیف
زین رو مگر به بزمگه آشنا شدی؟

شاید که نشتر علم بگردون هم آرزوست
کاین خاکدان گذاشته سوی سما شدی

وادت کسی نداد مگر از جهانیان
کای دادخواه قوم به پیش خدا شدی

در بارگاه قدس مگر شاعری نبود
تا بهر نغمه سنجی حمد و ثنا شدی

در سیرت است حاجت تحقیق نکته
تا خود کنون به بارگه مصطفی شدی

یا جلوه بی حجاب تمناست کز جهان
مستانه وار در حرم کبریا شدی

ما در فغان و هیچ نه پرسی ز حال ما
آخر کنون چه شد که تو نا آشنا شدی

این خسته را بمنزل مقصود هم رسان
آخر نه خود ز لطف و کرم رهنما شدی

ای راهبر جهان که ثنا بت نمی سزد
تو بخت قوم هستی و خوابت نمی سزد

غافل ز حال ملت بیضا چگونه
خاموش درین قیامت صغری چگونه

ما خاکیان بماتم تو خاک بر سریم
تو بر فراز گنبد خضرا چگونه

اینجا دلت طپید به هجران مصطفی
در خلوت وصال بفرها چگونه

در فکر قوم سیر چمن خوش نداشتی
بی سیر قوم به خلد شکیبا چگونه

اهل جهان بحسن کلام تو کی رسند
در بزم خلد انجمن آرا چگونه

در چار دانگ دهر نظیرت نداشتی
اینجا یگانه بوده و آنجا چگونه

ما بی تو هم چو عسکر بی شاه مانده ایم
ای تاجدار فضل تو بی ما چگونه

با خاکیان تیره درون سخت زیستی
با قدسیان عالم بالا چگونه

دیر است تا ز حال تو آگاه نیستم
باری بگو به جا که خود تا چگونه

وقت است سرورا که سر از خواب بر کنی
بر حال خستگان به عنایت نظر کنی

بنگر که حال ما بفراق تو چون شده است
از دیده خواب رفته و از دل سکون شده است

هر نقشِ آرزو کہ برانگیختم ز دل
چوں رشتۂ نگاہ کنوں غرقِ خوں شدہ است

آں ندوہ کز فیوضِ توحیدِ کمال بود
ہر بار سیدہ را ہدفِ آزموں شدہ است

واں **شبلی** کہ ہمتِ تو دادہ اش وجود
یکسر خرابِ خستہ و خوار و زبوں شدہ است

باغے کز آبیاریِ تو خرمی گرفت
تاراجِ فتنہ سازیِ چرخِ حروں شدہ است

جامے کہ پُر ز بادہ نالش گذاشتی
چوں کاسۂ سپہر دگر واژگوں شدہ است

دار المصنفین کہ بہشتِ فیوضِ تست
می سود سر بچرخ گر بے ستوں شدہ است

بدخواہِ دیں کہ چید اساسِ حصارِ کذب
اکنوں ز رخنہ سازیِ کلکت مصوں شدہ است

تو چوں کلیمِ طور نشین وصال و قوم
از سادگی فریفتۂ ہر فسوں شدہ است

برخیز و باز لطف بہ اہلِ نیاز کن
برما درِ خزینۂ تحقیق باز کن

جناب مولنا دلگیر اکبرآبادی اڈیٹر رسالہ "نقاد"

قطعہ تاریخ وفات حضرت شبلیؒ

آہ شبلی بھی ہوگئے رخصت
دل پر اک اور تازہ داغ ہوا

وہ مے خوشگوار ہائے کہاں
آج خالی۔ بھرا ایاغ ہوا

جس میں کھلتے تھے رنگ رنگ کے پھول
پائمالِ خزاں وہ باغ ہوا

ہائے وہ گلفشانیاں اُس کی
جو ملا اُس سے باغ باغ ہوا

نہ کمالات پر غرور کیا!
نہ کسی بات پر دماغ ہوا

کیا کہوں اُس کی موت کی تاریخ
جس کے مرنے کا سب کو داغ ہوا

علم کا سر رہا نہ پاؤں رہا
"خانۂ علم بے چراغ ہوا"

۱۹۱۴ء

قطعہ تاریخ وفات حضرت حالیؒ

نہ اب تبسم نہ خندۂ گل۔ نہ نغمے ہیں اب نہ شور بلبل
زبانِ سوسن ہے گنگ بالکل۔ خموش صحرا ہے باغِ دہلی
نہ کوئی ساقی نہ مے ہے باقی۔ وہ گرمیِ بزم داغ تک تھی
کباب کیسے شراب کیسی۔ پڑا ہے خالی ایاغِ دہلی
مگر تھی پھر بھی نمود کچھ کچھ۔ کہ شمع دیتی تھی دُود کچھ کچھ
اُٹھے جو حالی صدا یہ آئی۔ "ہوا ہے اب گل چراغِ دہلی"

سنہ ۱۳۳۳ھ

نوحۂ حالی

از عاصی پُر معاصی آثم سہارنپوری

موجزن کیونکر نہو آخر دلِ مضطر میں آگ
خونِ بسمل سے زباں ہے مشتعل خنجر میں آگ

آتشِ فرقت سے ساقی کے ہے ہر ساغر میں آگ
دل سے لیکر چشمِ تر تک پھیلی ہے گھر بھر میں آگ

سینۂ امید میں راحت کے خرمن جل گئے
عیش و عشرت جمیں رہتے تھے وہ مسکن جل گئے

ہے وہ اپنا درد جس کا کوئی درماں ہی نہیں
ہوں وہ بد قسمت خوشی کا کوئی ساماں ہی نہیں

چاک جیب و آستیں تک ہیں گریباں ہی نہیں
نالہ بھی ہے جانستاں اک آہ سوزاں ہی نہیں

ہے مری افسردگی پر آسماں سرگرم کیں
شیشۂ دل لائے کیونکر تاب خوئے آتشیں

وحشت افزا اپنا افسانہ ہے ہمدم۔ کیا کہوں
دل ہے مضطر۔ سینہ بریاں۔ چشم پرنم کیا کہوں

بخت برگشتہ سراسر۔ وجہ ماتم کیا کہوں
قصہ افزا آتشِ اندوہ پیہم کیا کہوں

بیقراری دستِ قدرت سے بھری ہے کوٹ کر
بجلیاں ہی بجلیاں گرتی ہیں دل پر ٹوٹ کر

اے فلک تیر مصائب کے ہدف سمجھے کیا ہمیں ۔۔۔ آہ! کیا تو شیوۂ انصاف سیکھا ہی نہیں
ہم غریبوں ہی سے ہی کیوں آئے دن پرخاشتیں ۔۔۔ رنج دیتا ہی انہی کو۔ خود ہی جو اندوہگیں

کیا کہوں اے ہمنوا۔ کیا مرگِ حالی کر گئی
مادرِ ہندوستان کی گود خالی کر گئی

کون حالی۔ رہنمائے کاروانِ قوم و ملک ۔۔۔ کون حالی۔ انتخابِ دلبرانِ قوم و ملک
وہ محبِ ملت و روحِ روانِ قوم و ملک ۔۔۔ کون حالی۔ اپنا حالی۔ یعنی جانِ قوم و ملک

اک اشارے میں ہزاروں کو جو زندہ کر گیا
تجھ سے میں کیونکر کہوں ہمدم کہ وہ بھی مر گیا

کیوں نہ آنسو خون کے روئے ایاغِ انجمن ۔۔۔ ہو گئی پامالِ حسرت رونقِ عہدِ کہن
کل تو شبلی سا اٹھا تھا طوطیِ باغِ سخن ۔۔۔ آج ہی خاموش حالی کا لبِ اعجاز فن

ہو گئی "تاریخ" نذرِ شعلۂ برقِ ستم
چھا گئی گلزارِ "شعر و شاعری" پر شامِ غم

آج دنیا میں نہیں وہ مہرِ خوبیِ جہاں ۔۔۔ چھپ گیا نظروں سے۔ جا کر سوئے گلزارِ جناں
ہو گیا افسردہ عالم صورتِ برگِ خزاں ۔۔۔ عندلیبِ زارِ فیضِ علم ہے ماتم کناں

کر دیا ویران ہے سے چھائی ظلمت سربسر
شمع لیکر بھی جو ڈھونڈو اب کہاں ایسا گہر

موتِ حالی ہو نہ کیونکر آفتِ صد خانماں ۔۔۔ کیا عجب ہو ذرہ ذرہ آج سرگرمِ فغاں
قوتِ بازوئے سید۔ سعدیِ ہندوستاں ۔۔۔ وہ مئے "حبِ وطن"، کا جامِ زریں اب کہاں

وائے قسمت ہو گئی گل وقفِ صرصر ہو گئی
رہ گئی تھی یادگار اک شمع وہ بھی سو گئی

شبلی و حالی یہی اپنوں میں آتے تھے نظر ۔۔۔ رہ گئے تھے اب تو گلشن میں یہی دو اک شجر
لے گیا گلچینِ نکبت ہائے یہ بھی لوٹ کر ۔۔۔ نوحہ گر ہیں آج انہیں کے غم میں سب دیوار و در

دیکھنا ہو جس کو نقشہ گردشِ ایام کا
ڈوبنا آ کر وہ دیکھے کشتیِ اسلام کا

کس قدر آشفتہ تری فریاد شور انگیز ہے، ۔۔۔ پہونچی ہی گا وہ زمیں تک آہ کیسی تیز ہے

بسکہ ہر ہر لفظ فرطِ غم سے درد آمیز ہے
اُس پہ یہ طرزِ بیاں کیا کم قیامت خیز ہے

اک جہاں روتا ہی خوں حسرت سے باندھا ہی سماں
صدمۂ جانکاہ دل پر ہی تو لب پر ہے فغاں

کر دعا اب یہ کہ اے میرے رحیم و کارساز
اپنی رحمت سے اُنھیں جنت میں دے عیش دراز

خدمتِ قومی کے پائیں اجر میں یوں امتیاز
جتنے دُنیا میں جھکے ہیں اتنے ہی ہوں سرفراز

ہو عطا ہم کو بھی وہ نعم البدل اے ذوالکرم
جنکی ہستی پر ہو نازاں کل کے دن خیر الامم

ایوب احمد آثمؔ سہارنپوری عفی عنہ

۸۹۱۶۸۴۴
آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

18.2.56

۳۱۶ م ۸۹۱ ء

ابو ایوب ۱ - سن تاک

سوز و ساز

[illegible]